ماہنامہ
حور
لاہور

هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ

جو لہلہاتے تھے کبھی آغوشِ طور میں — وہ جلوے بیقرار ہیں دامانِ حور میں

ہندوستانی خواتین کا بہترین علمی، ادبی، تاریخی، سیاسی اور صنعتی ماہنامہ

حور لاہور

مدیران اعزازی

جہاں بانو بیگم ایم اے (عثمانیہ) — زیب عثمانیہ لدھیانوی

مدیر مسئول

امۃ اللہ قریشی

چندہ سالانہ قسم اول چار روپے برما و رنگون سے چھ روپے چندہ سالانہ قسم دوم تین روپے

والیان ریاست سے پچاس روپے غیر ممالک سے بارہ شلنگ

ترسیل زر و خط و کتابت کا پتہ

مینیجر رسالہ "حور" الہ بار سٹریٹ، براندرتھ روڈ، لاہور

فہرست مضامین

جلد دوئم | ماہ اگست سنہ ۱۹۴۱ء | نمبر ۸

دامانِ حور

حور کے خاص نمبر

گذشتہ نمبر میں تمدن نمبر اور عید نمبر کا اعلان بہنوں کی نظر سے گذرا ہوگا۔ تمدن نمبر انشاء اللہ ستمبر کے آغاز میں بہنوں کی خدمت میں حاضر ہو جائے گا۔ حور کے ان ہر دو نمبروں کو کامیاب بنانا ہمارا اولین فرض ہے۔ ہمیں اپنی محترم ناظرات سے قوی امید ہے کہ وہ بھی ہماری ہر ممکن اعانت سے دریغ نہ فرمائیں گی۔

ان ہر دو نمبروں کے اخراجات کا اندازہ بہت زیادہ ہے خصوصاً تمدن نمبر کا جس میں مختلف قسم کے لباس پہننے کی ترکیبوں کے ہمراہ ان کے عکسی بلاکوں کا ہونا بہت ضروری ہے۔ ورنہ اس نمبر کی دلکشی و دلچسپی اور خوبی ادھوری رہ جاتی ہے۔ ان حالات میں "حور" کی تمام ناظرات کو ہمارا ہاتھ بٹانا چاہئیے۔ ہر ایک بہن کے لئے اپنے حلقہ احباب میں دو چار بہنوں کو خریداری کے لئے آمادہ کر لینا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ مگر حور کے لئے ایک بہت بڑی امداد۔ اس لئے ہر ایک بہن کم از کم دو خریداروں کا چندہ دفتر میں بھجوا دے تاکہ خاص نمبر ان نئی خریدار بہنوں کو بھی شائع ہوتے ہی ارسال کر دیا جائے۔

آئندہ سال کا چندہ

تمدن نمبر ستمبر اور اکتوبر کا مشترکہ پرچہ ہوگا۔ اس لئے جن بہنوں کا چندہ ستمبر اور اکتوبر میں ختم ہو رہا ہے ہم انہیں اطلاع بھجوا رہے ہیں۔ وہ بہنیں بواپسی ڈاک اپنا اپنا چندہ بھجوا کر ان مصارف میں ہمارا ہاتھ بٹائیں۔

گذشتہ سال دستکاری نمبر کے موقع پر ہم نے اپنے رعایتی اعلان کے مطابق دو سو بہنوں کو چندے کی رعایت دی تھی۔ مگر آئندہ سال کے لئے کاغذ کی انتہائی گرانی کے مدنظر ہم ان کے لئے یہ رعایت جاری رکھنے سے مجبور ہیں۔ اس لئے جو بہنیں اب پورا چندہ یعنی مبلغ چار روپے ادا نہ کرنا چاہتی ہوں۔ ان کے لئے ہم نے قسم دوم کا ایڈیشن جاری کر دیا ہے جس کا کاغذ قدرے ہلکا ہوگا۔

تمدن نمبر کے مضامین

تمدن نمبر میں صنعتی مضامین کے علاوہ۔ علمی۔ ادبی مضامین افسانے اور نظمیں بھی شریک اشاعت ہوں گی۔ اس لئے مضمون نگار اور دستکار بہنوں سے عرض ہے۔ کہ وہ جلد سے جلد اپنے مضامین بھیجکر ممنون فرمائیں۔ تمام مضامین ۱۵ اگست تک پہنچ جانے چاہئیں۔

تمدن نمبر کی رجسٹری

یوں تو ہر ماہ دفتر کو ڈاک خانہ والوں کے احساس فرض کا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے۔ کئی بہنوں کی شکایت ہوتی ہے کہ پرچہ نہیں ملا۔ اور وہ اس کو دفتر کی بدانتظامی پر محمول کرتی ہیں حالانکہ پرچہ دفتر سے باقاعدہ ارسال کر دیا جاتا ہے مگر ڈاک کے ڈاکوؤں کو کیا کیجئے۔ آخر انہیں بھی تو ادب ست لگاؤ ہے ان کا بھی حصہ ٹھہرا۔ مگر خاص نمبر میں ان کا حصہ بھی خاص ہوگا موجودہ حالات میں خاص نمبر کی ادائی …

ناممکن ہوگی۔ اس لئے محترم بہنوں کی خدمت میں عرض ہے کہ وہ پرچہ بذریعہ رجسٹری منگوائیں جس میں ان کے ۴ ام خرچ ہونگے۔ مگر پرچہ گم ہونے کا احتمال نہ ہوگا۔ رجسٹری کے لئے آج ہی ۴ ام کے ٹکٹ دفتر کو روانہ کر دیں۔ اور ان کے ہمراہ اپنا مفصل پتہ اور نمبر خریداری ضرور لکھیں۔ جو بہنیں اپنا چندہ بذریعہ منی آرڈر بھیج رہی ہوں۔ وہ رجسٹری کے ۴ ام بھی منی آرڈر کی رقم کے ہمراہ بھیج سکتی ہیں۔

بہن بھائیوں کے مشورے

"حور" کو مفید کارآمد اور دلچسپ بنانے کے لئے محترم بہنوں اور بھائیوں کی قابل قدر رائے اور مشورے طلب کئے گئے تھے۔ اس سلسلہ میں حضرت ذکریا صوفی صاحب کا مکتوب "صوفی" نقلم خود بہنوں اور بھائیوں کی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ ہم اس بیش بہا مشورہ کے ممنون ہیں۔

ہم نے ان کی بیوی نمبر ۳ جو صدارت کے فرائض انجام دیتی ہیں کی صدارت کو قبول کیا۔ ہم ان کے اس مشورہ سے پہلے ہی … کے زیر علاج ہیں۔ اور دو تین ماہ سے الحمد للہ علی کل حال بن رہے ہیں۔

آہ ڈاکٹر اکرام

انیس نسواں کا پرچہ چھاپنے سا تو ڈاکٹر محمد اکرام صاحب بیرسٹر ایٹ لا کی وفات

حسرت آیات کی الم انگیز خبر لایا۔ جسے پڑھ کر ہمیں بے حد رنج اور صدمہ پہنچا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالےٰ انہیں اپنی جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین۔ رسالہ عصمت اور مخزن جیسے علمی ادبی پرچے ڈاکٹر صاحب کی ادارت میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ اب انہوں نے خواتین کی بہبودی کے لئے اپنا ذاتی پرچہ انیس نسواں جاری کیا تھا۔ افسوس کہ ایک ایسا مفید پرچہ بہت جلد ان کے سایہ سے محروم ہو گیا۔ ایسے وقت میں قوم کا ایسی مخلص اور ہمدرد ہستی سے محروم ہو جانا ایک بڑی بدقسمتی ہے۔ ہم اپنی بہن بیگم اکرام صاحبہ کے غم میں شریک ہیں۔ اور دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ اور بیگم اکرام صاحبہ کو ان کی یادگار قائم رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

شاعر اعظم کی وفات

شاعر اعظم ڈاکٹر رابندرا ناتھ ٹیگور جن کا ایک گیت اس پرچہ میں شائع ہو رہا ہے آج ہم اس بین الاقوامی شہرت کے شاعر مفکر اور مصور کی موت کی خبر نہایت رنج و افسوس کے ساتھ شائع کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر ٹیگور کی موت سے نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیا انسانیت کی ایک سچی اور ہمدرد کو کھو چکی ہے۔

اختر اللہ

آئینہ زار

شاعر اعظم کا انتقال

۷ اگست کو دو بجکر تیرہ منٹ پر ہندوستان کے ملک الشعراء ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور اس جہان فانی سے چل بسے۔ آپ کا انتقال آپ کے آبائی مسکن میں ہوا۔ ڈاکٹر صاحب ایک مدت سے صاحب فراش تھے۔ اور چند ہی روز قبل آپ کو شانتی نکیتن سے کلکتہ میں لایا گیا۔ کلکتہ میں آپ کا اپریشن ہوا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اپریشن کے وقت آپ کی حالت نہایت درست تھی۔ لیکن بعدہ حالت یک لخت دگرگوں ہو گئی۔ دو دن سے تو آپ کی حالت بے حد تشویشناک تھی۔ بدھ کے روز جو آپ پر غشی طاری ہوئی وہ آخری دم تک دور نہ ہوئی۔ جمعرات کو صبح دس بجے ڈاکٹروں نے آپ کا طبی معائنہ کیا اور پہلی مرتبہ آکسیجن دی تاکہ تنفس میں جو دشواری تھی دور ہو جائے لیکن یہ تدبیر کارگر نہ ہو سکی جب ڈاکٹر آپ کی صحت کے بارے میں قطعی طور پر مایوس ہو گئے۔ تو برہمو سماج کے لیڈر راماننداچٹرجی کو بلایا گیا جنہوں نے آخری دعا پڑھی۔

ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور

ولادت ۱۸۶۱ء۔ تعلیم پرائیوٹ پہلے کلکتہ میں مقیم رہے ازاں بعد اپنی آبائی جاگیر کے انتظام میں منہمک ہو گئے ۱۹۱۲ء میں ولایت گئے اور اپنے بنگالی شاہکار کا انگریزی ترجمہ کیا ۱۹۱۳ء میں ادب میں نوبل پرائز حاصل کیا۔ ۷۰ برس کی عمر میں مصوری اختیار کی آپ کی تصاویر کی نمائش ماسکو، برلن، پیرس اور نیویارک میں ہوئی شانتی نکیتن میں بین الاقوامی یونیورسٹی قائم کی ۳ ہزار سے زیادہ گیت لکھے ۲۸ کلیات، ۳۰ ڈرامے اور نغمے، ۱۹ ناول اور افسانوں کی کتابیں آپ کی یادگار ہیں۔

مستقل عنوان

مشرقی محاذ جنگ پر جرمنی اور روس کے نقصانات

مشرقی محاذ جنگ کے نقصان کے متعلق جرمن ہائی کمانڈ نے ذیل کا بیان دیا ہے۔

روسی قیدی، مجروح اور ہلاک	۸۹۵۰۰۰
روسی توپوں کی تباہی	۱۳۳۸۰
روسی فولادی گاڑیاں	۱۰۰۰۰
روسی طیاروں کی تباہی	۹۰۰۰

مشرقی محاذ جنگ پر جرمن اور روسی نقصانات کے متعلق ذیل کا اعلان شائع کیا گیا ہے۔

جرمن ہلاک، اسیر اور مجروح	۱۵ لاکھ
جرمن ٹینکوں کی تباہی	۶ ہزار
جرمن توپوں کی تباہی	۸ ہزار
جرمن طیاروں کی تباہی	۶ ہزار

برطانیہ پر حملہ

مسٹر چرچل نے دارالعوام میں بتایا کہ برطانیہ کی تمام مسلح فوجوں کو یکم ستمبر تک جرمن حملہ کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ آپ نے کہا کہ انگلستان پر چڑھائی کا موسم آ گیا ہے۔ جرمنوں کے ہوائی حملے کم ہو گئے ہیں مصر اور بحر اوقیانوس کی لڑائیوں میں بھی ہمارا پلہ بھاری رہا ہے۔ لیکن اس کے باوجود جرمن حملہ ناگزیر ہے۔ ہم نے پچھلے چند مہینوں میں ایک ہزار مشین گنیں تیار کر لی ہیں۔ اور ہزاروں ہوائی جہاز بھی آئندہ چند مہینوں میں ہماری ہوائی طاقت سہ چند ہو جائیگی برطانوی گورنمنٹ نے

ہے کہ جرمنی کے خلاف لڑنے کے لئے دنیا کی تین چوتھائی آبادی ان کا ساتھ دے گی۔ برطانیہ کے محکمہ خوراک کو آنے والے خطرے کا احساس ہو گیا ہے۔ اور اس نے کھانے پینے کا سامان گزشتہ سال سے بہت زیادہ مقدار میں جمع کر لیا ہے۔

جاپانی فوجوں کی نقل و حرکت

برٹش یونائیٹڈ پریس نے بی بی سی کو اطلاع دی ہے کہ شمالی چین میں جاپانیوں نے جو فوج جمع کر رکھی ہے۔ اس نے شمال کی طرف نقل و حرکت شروع کر دی ہے۔ روس اور سائبیریا کی حد پر جاپان کے فوجی حکام نے زبردست جنگی تیاریاں شروع کر دی ہیں اور ان کے سلسلہ میں پچاس ہزار چینی مزدور بھرتی کر لئے ہیں۔ مانچوریا اور منگولیا میں رہنے والے غریب چینیوں کو جبری بھرتی کیا جا رہا ہے برطانوی اور روسی حلقے جاپان کے رویہ کا سنجیدگی سے جائزہ لے رہے ہیں مانچوریا اور منگولیا کی روسی سرحد پر سرخ فوج بھی کثیر تعداد میں جمع ہو رہی ہے

لکڑی کے برادے سے مصنوعی غذا

والنگٹن کی اطلاع ہے کہ جرمنی، سویڈن ناروے اور فن لینڈ میں مویشیوں کو چارے کے طور پر لکڑی کا برادہ اور چھوٹی چھوٹی کتریں دی جا رہی ہیں۔ یہ انکشاف ایسوسی ایٹڈ پریس کے نمائندے نے کیا ہے۔ اس کا بیان ہے کہ یہ تینوں ملک مویشیوں کے چارے کے لئے ممالک غیر کے محتاج ہیں۔ جنگ شروع ہونے پر جب برطانیہ نے بحر شمالی میں ناکہ بندی کر دی تھی۔ تو ان کی ضروریات بہت حد تک روس سے پوری ہوتی تھیں لیکن اب یہ ذریعہ بھی بند ہو گیا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ سائنس دان رات کے تجربات کے بعد ایک ایسا عمل نکالا ہے جس سے برادہ کو... ہائیڈروجن لاو پروٹین کے جزو میں تبدیل کر کے...

مکتوبِ رموزی

محترم و معظم مدیر حور

بعد دعائے عمر درازی و ترقی درجات مدیری التماس ہے کہ خلد آپ کا آباد کو سود اور آنکھوں کو نور حاصل ہو؟

دیگر احوال یہ ہے کہ

میں نے اس نوازشنامہ کو اپنی چاروں بیویوں کی انجمن میں پیش کر دیا۔ اور چونکہ میری ان چاروں بیویوں میں بی اے میٹر اور نان میٹرک وغیرہ شامل ہیں اس لئے ان سے بحث و مباحثے تنقید و تبصرے اور مخالفت و موافقت کے کافی اجزا ہاتھ آجاتے ہیں اور میری رائے ہیں اگر دوسرے شوہر بھی بیویانہ مشورہ کی یہی تدبیر اختیار کریں تو دو فائدے بڑی تیزی سے حاصل ہو سکتے ہیں یا نجات یا موت مگر یہ تو نہ ہوگا کہ بیوی کو شوہر سے شکوے شکایت اور شک و شبہ کا موقع ہاتھ آئے۔ اس لئے جہاں تک رسالہ کی بلندی خوبصورتی اور پابندی و خیر خواہی کا تعلق ہے وہاں تک میری چاروں بیویاں آپ کے حق میں دعا گو ہیں۔ اور جہاں مضمون نگاری کا سوال ہے وہاں یہ چاروں میری جانی دشمن ہیں یعنی ان کی رائے یہ ہے کہ میں نے جتنا مردوں کے پرچوں میں لکھا ہے اتنا ہی عورتوں کے پرچوں میں لکھتا رہوں حالانکہ میں نے ان کے منہ کے سامنے کا یہ جواب پیش کر دیا کہ جب میں حور

بہن بھائیوں کے مشورے

(بقلم خود)

کے پرچہ میں لکھتا رہوں اس وقت میں صرف ملا رموزی بقلم خود تھا۔ اور اب میں شوہر بھی ہوں لیکن میری رائے میں وہ بیوی ہی نہیں ہو سکتی میں شوہر کو قائل نہ کر سکے اس لئے

دیگر احوال یہ ہے کہ رسالے میں مضمون کے متعلق وہ تین تجاویز پیش کرتا ہوں جو میری بیوی نمبر ۲ کی ایجاد اور بیویوں کی پوری انجمن کی تائید حاصل کی ہوئی ہیں،

ایک یہ کہ جنگ کے نام اور اثر سے زندگی کی تمام اشیا جو گراں ہو گئی ہیں ان کا توڑ یہ نہیں ہے کہ خواجہ حسن نظامی مدظلہ سے دعائے گرانی کرائی جائے یا مولانا اشرف علی صاحب تھانوی سے تعویذ ارزانی لکھایا جائے بلکہ اس کا بہترین توڑ یہ ہے کہ بازار میں جس چیز کے دام زیادہ ہو جائیں اسی چیز کا استعمال ترک کر دیا جائے۔ انتہا یہ ہے کہ میری بیوی نمبر ۲ کی رائے تو یہ ہے کہ اگر جنگ کی وجہ سے گیہوں تک گراں ہوئے تو ہم جو اور مکئی کھائیں گے مگر گراں بیچنے والوں کی خوشامد نہ کریں گے کہ سستا دیجئے۔

دوسری تجویز یہ ہے کہ جن غیر ہندوستانی اشیا کے ہم عادی ہو چکے ہیں ان سب کو شوہر کی قسم کھا کر ترک کر دیں گے حتیٰ کہ ڈاکٹری علاج بھی نہ کریں گے کیونکہ اس علاج کے دام بھی یورپ کی ادویہ فروش دکانوں کو ملتے ہیں اس

لئے ہر کام میں اب چاہے دس دن تک الحمد للہ اور یرحمک اللہ نہ کہیں گے مگر گل بنفشہ، عناب اور گاؤزبان ترک نہ کریں گے۔

اسی طرح قدیم ماں بہنوں کی طرح چکی چلاتے ہوئے خود ہی جھوم جھوم کر گائیں گے مگر سینما کا تماشہ ہرگز نہ دیکھیں گے۔ ہندوستانی پڑی کا جوتا پہنیں گے نہ ریڈیو پر وقت دیں گے اور جب یہ کریں گے تو پھر غیر ملکی ریڈیو کی مشین تک اکھاڑ کر پھینک دیں گے کیونکہ خوب تجربہ کر لیا کہ یہ تمام بیہودہ تفریحات ہندوستان کی عورت کے شرف و امتیاز اور اس کے اخلاق کو ایک گز آگے نہ بڑھا سکیں بلکہ اس مفلس بنا کر رکھ دیا کیونکہ عقلاً اور فطرتاً جو چیز ہمارے فطری خواص کے موافق نہ ہو وہ دیرپا فائدہ نہیں دے سکتی اسی لئے دیکھا گیا ہے کہ جوانی کے جوش کے بعد جہاں عقل کی روشنی عیاں ہوئی کہ پھر عورت ہو کہ مرد ہر کام ملکی عادت و فطرت کے موافق کرنے لگتا ہے۔ لہذا سینما میں لاکھ فوائد ہوں مگر جب تک وہ فوائد دانش عقل پختہ نہ ہو سب فوائد مل کر قرض بن جاتے ہیں اور رونا پڑتا ہے گرہست بیوی اور ہوشمند شوہر کو۔

یہ تجویز میری اس بیوی نمبر ۲ کی ہے جو گو مزاجاً بڑی نمک مرچ اور جھاخ پٹاخ واقع ہوئی ہے۔ مگر عقلیات میں وہ میری تمام بیویوں کی صدارت کرتی ہے۔

تیسری تجویز یہ ہے کہ رسالہ "حور" کے تمام مضامین میں یہ کوشش کی جاتی ہے کہ ہر مضمون میں کوئی انوکھی بات ضرور ہو اور بڑے فائدے کی۔ مثلاً یہ کہ عورتوں کا مردوں کو ظالم کہنا اور مردوں پر قسم قسم کے طعنے کرنا اور

مردوں کا عورتوں کے جواب میں کچھ لکھنا تو اب بے حد فرسودہ، پامال اور گھناؤنی سی بات ہو کر رہ گئی ہے۔ بلکہ ایسے مضامین سے تو اصلاح کے عوض مرد اور عورت کے درمیان ہندو مسلم فساد کی سی خلیج پیدا ہوتی ہے۔ لہذا اگر ایسے عنوان پر کچھ کہنا ہی ہو۔ تو وہ اس سلیقے سے کہ ایک دوسرے کے صنفی جذبات کو ٹھیس نہ لگے۔ مگر واضح ہو۔ کہ ایسے بلند و معتدل مضامین جناب کو پختہ کاروں سے حاصل ہو سکیں گے نوجوانی میں عقل ہی کب کامل و پختہ ہوتی ہے۔ جو ایسے محتاط مضامین پیدا کر سکے

اسی طرح یورپی ترجمہ والے مضامین میں یہ اہتمام ہو کہ وہ ہندوستانی فطرت و عادت اور یہاں کے طبعی رجحانات و امکانات کے موافق بھی ہیں یا صرف یورپ والوں کے اصول و نظریے ہیں۔ جو یورپ والوں کے لئے موزوں ہو سکتے ہیں، مثلاً اگر کوئی یورپی ڈاکٹر لکھ دے کہ عورت کے لئے اچھل کود کی ورزش ضروری ہے۔ تو آپ ایسے ترجمہ کو ہرگز شائع نہ کیجئے۔ جب تک کہ یہ نہ دیکھ لیجئے کہ اچھا وہ اچھل کود تو صحیح مگر یہاں کی عورت میں اچھل کود کے اثرات برداشت کرنے کی فطری مقدار کتنی ہے اس کا جسم یہاں کی آب و ہوا میں اچھل کود کی ورزش خود بھی طلب کرتا ہے یا محض رواجی حیثیت سے ہم قائل ہو کر رہ گئے ہیں؟ پھر یہ کہ مرد کی نظر میں اپنی عورت کا جو وقار ہے۔ وہ اچھل کود کی ڈاکٹری سے باقی بھی رہتا ہے یا نہیں؟ پھر یہ کہ کتنی مقدار کی اچھل کود کو اس کا گھرانہ عزت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اور کس مقدار کو بیہودگی تصور کرتا ہے؟ پھر یہ کہ اچھا بھلا دادی اماں اور خالہ بی بغیر ہار کھائے ورنہ اچھل کود ورزش

افکارِ زیب

از: محترمہ زیب عثمانیہ لودیانوی

صدق عمل پر اگر مدار نہیں ہے!
کوششِ پیہم بھی کامگار نہیں ہے!!

سادہ دلی عشق کی تمیز ہے لیکن
مکر و ریا عقل کا عیار نہیں ہے!

جس کے مذاہب میں عقل کار جنوں ہو
ملک وہ دنیا میں کامگار نہیں ہے!

مصلحت وقت پر ہوں جس کی بنائیں
ایسا کوئی عہد استوار نہیں ہے!

دین کی زبان میں ہے وہ سہولت عقبے
جبر جو فطرت کا آشکار نہیں ہے!

جس میں کشش غیروں کیلئے نہیں وہ دیں
فطرت انسان کا رازدار نہیں ہے

کوئی خبر ہی پہ زیب کیسے ہو قانع

دورِ جاہلیت کی عرب عورتیں

از: امتہ اللہ

(سلسلہ گزشتہ)

عزت و ناموس کی بقا اور اس کے تحفظ کی راہ میں عرب اقوام عالم میں غیرت کی معراج کی اس بلند ترین چوٹی تک پہنچے ہوئے ہیں۔ جہاں دنیا کی دوسری قوموں میں سے کوئی ایک بھی آج تک نہ پہنچ سکی۔ عرب سب کچھ برداشت اور ہر چیز سے چشم پوشی کر سکتے ہیں۔ دنیا میں ان کے لئے اگر کوئی چیز ناقابل برداشت ہے۔ تو وہ ان کے ناموس کی توہین ہے اس معاملہ میں تقریباً عرب کی ساری قومیں نظر ثانی کی محض غیور واقع ہوئی ہیں۔ غیور بھی شدت کے۔ عرب اپنی ماں بیٹیوں اور بیویوں کے نسوانی وقار کے شریف ترین محافظ ہیں۔ اور اپنی مخدرات کی عظمت و بزرگی کرامت و شرافت پر عرب اپنے ذاتی عظمت اپنی ذاتی کرامت و شرافت کو بخندہ پیشانی قربان کر دیتے ہیں۔ اور یہ چیز ان کی قومی خصوصیات میں داخل ہے۔ قوم عرب کا ہر فرد وہ نے ہو خواہ اعلےٰ۔ امیر ہو یا غریب خواص میں سے ہو یا عوام سے اپنی عورتوں کی عزت و حرمت کو اپنے قبائل اور اپنی قوم کا انمول ترین سرمایہ حیات تصور کرتا ہے۔ اور اپنے آپ کو اس شریف و عزیز ترین سرمایہ کا فطری محافظ۔

اجمالاً پیش کیا ہے۔ وہ ایک حقیقت ہے۔ ایسی حقیقت جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا عرب کی تاریخ اس قسم کے سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں ہی واقعات سے بھری پڑی ہے۔ ہم ناظرات حور کی دلچسپیوں میں اضافہ اور مذکورہ بالا دعوے کے ثبوت میں اس وقت صرف ایک واقعہ پیش کرنا چاہتے ہیں۔ کہتے ہیں عمرو بن ہند عرب میں ایک اولو العزم بادشاہ گذرا ہے۔ ایک روز وہ اپنے دیوان خاص میں پورے شاہی کر و فر کے ساتھ رونق افروز تھا۔ امرائے دربار گرد و پیش حلقہ کئے ہوئے تھے۔ دفعتاً عمر حاضرین دربار سے مخاطب ہوا اور کہنے لگا۔ تمہارا کیا خیال ہے۔ تمہارے علم الیقین میں عرب میں کوئی ایک شخص بھی موجود ہے جو عزت و شرافت میں مجھ سے اپنے آپ کو بلند و برتر سمجھتا ہو۔ اور جس کی ماں میری ماں کی خدمت کرنا توہین سمجھتی ہو۔ سب نے بستہ ہو کر بالاتفاق عرض کیا خداوند نعمت! ہاں ہے بادشاہ نے دریافت کیا اس کا نام؟ درباریوں نے جواب دیا اس کو عمرو بن کلثوم کہتے ہیں۔ اور اس کی ماں کا نام لیلیٰ دختر مہلہل ہے۔ لیلے بادشاہ کی خدمت کو اپنی انتہائی توہین

شجاع ترین عرب کی نواسی، اور عمرو بن کلثوم جیسے شریف و نجیب ترین سردار کی ماں ہے۔ ملک عمرو بن ہند نے جواب سننے کے بعد عمرو بن کلثوم کے پاس خط کے ساتھ ایک خاص قاصد بھیجا۔ خط میں اس نے اشتیاق زیارت ظاہر کرتے ہوئے دعوت ملاقات دی۔ اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی لکھا۔ کہ آپ تنہا تشریف نہ لائیں۔ بلکہ اپنی والدہ کو بھی ساتھ لائیں۔ کیونکہ میں جس حد تک آپ کی ملاقات کا مشتاق ہوں۔ اس سے زیادہ میری والدہ آپ کی والدہ کے دیدار کی آرزو مند ہیں۔ عمرو بن کلثوم کے پاس جب قاصد یہ خط لے کر پہنچا اور وہ مضمون خط سے آگاہ ہوا۔ اس نے رد دعوت کو غیر مناسب سمجھتے ہوئے سفر کی تیاری شروع کر دی۔ اور ایک روز بنی تغلب کی ایک جماعت کو ساتھ لے کر اپنی والدہ سمیت ملک عمرو بن ہند کی ملاقات کے لئے روانہ ہو گیا۔ ادھر عمرو بن ہند نے قاصد کو روانہ کرنے کے بعد دریائے فرات اور ایک جزیرہ کے درمیان خیمے نصب کرائے اور عمرو بن کلثوم کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔ ملک عمرو بن ہند نے اپنی مملکت کے عمائدین و معتمد روساء کی بستیوں کی ایک جماعت کو بھی اپنے دربار میں طلب کر لیا۔ سردار عرب عمرو بن کلثوم جس وقت قریب پہنچا تو ملک عمرو بن ہند کی طرف سے اس کا شایان شان استقبال کیا گیا اور اس کو معہ اس کی والدہ دختر مہلہل ایک آراستہ خیمہ میں ٹھہرایا گیا۔ ملک عمرو بن ہند نے سردار عرب کے آنے سے پہلے ہی اپنی ماں کو سکھا پڑھا رکھا تھا۔ کہ جب والدہ عمرو بن کلثوم آپ کی ملاقات کے لئے آئے۔ اور اس کو کھانا کھلانے کے لئے دسترخوان بچھایا جائے۔ تو آپ خادمہ کو سکھا دیجئے گا کہ وہ ایک خاص ظرف دسترخوان پر سے قصداً کسی قدر فاصلہ پر رکھ دے کہ آپ دانستہ طور پر ہٹ جائیے۔ آپ پہلے تو خادمہ کو آواز دے کر کہئیے۔ کہ فلاں ظرف اٹھا دے۔ اور جب وہ دیر کرے۔ تو آپ لیلےٰ دختر مہلہل سے کہئیے گا۔ کہ بہن ذرا فلاں چیز تو اٹھا دینا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ والدہ ملک عمرو نے پہلے تو خادمہ کو آواز دی اور چونکہ اسے پہلے ہی سکھایا پڑھایا جا چکا تھا۔ اس نے قصداً تاخیر کی۔ تب ہند نے لیلےٰ سے کہا۔ بہن ذرا فلاں طبق تو اٹھا دینا۔ لیلےٰ بھی کوئی معمولی خاندان کی عورت نہ تھی۔ وہ صورت معاملہ کو فوراً تاڑ گئی۔ چنانچہ اس نے جواب دیا۔ کہ طبق کی ضرورت تمہیں ہے نہ کہ مجھے تم خود کیوں نہیں اٹھا لیتیں۔ ہند نے اپنے سوال کا دوبارہ اعادہ کیا۔ لیلےٰ کی طرف سے پھر وہی جواب دیا گیا۔ اب ہند کی طرف سے بار بار اصرار شروع ہوا۔ اور لیلےٰ کی طرف سے انکار پر انکار ہونے لگا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ لیلےٰ کے لئے یارائے ضبط باقی نہ رہا۔ اس کو خیال ہوا کہ مجھے یہاں بلا کر اس عورت نے اپنے گھر میں میری توہین کر دی۔ چنانچہ وہ زور سے پکار اٹھی۔ تغلب کی اولاد دوڑو یہاں تو میری بے آبروئی کی جا رہی ہے۔ جس وقت لیلےٰ کی صدائے فریاد بیٹے کے کانوں میں پہنچی حمیت عرب جوش میں آئی۔ رگ غیرت پر نشتر پڑا وہ جوش انتقام سے بے چین ہو گیا۔ اور اپنے خاندان کے ان آزمودہ کار نوجوانوں کی طرف دیکھ کر جو اسی مقصد کے لئے ساتھ گئے تھے پکار اٹھا۔ قبیلہ تغلب کے غیور بہادرو دیکھتے کیا ہو۔ کیا تمہارے خاندان کے لئے اس سے کوئی بڑی توہین بھی ہو سکتی ہے۔ اس کے بعد کمرہ کا جائزہ لیا۔ دیکھا کہ ایک کھونٹی میں کسی کی تلوار لٹک رہی ہے۔ اس نے شیرانہ وار جھپٹ کر تلوار اٹھا لی۔ اور عمرو بن ہند کا سر ایک ہی

وار میں اڑا دیا۔ اس کے بعد اپنے قبیلہ والوں کو [illegible] آواز دی۔ چنانچہ انہوں نے شاہی خیمہ کی ایک ایک چیز لوٹ لی۔ اور شاہی محل کی عورتوں، مردوں اور بچوں کو اسیر کر لیا۔

سلسلہ بیان میں عرض کیا جا چکا ہے۔ کہ عربوں کی قومی حمیت و غیرت ناموس اقوام عالم میں اپنا جواب نہیں رکھتی۔ ماں کی توہین کا بدلہ جو عمرو بن کلثوم لے چکا تھا۔ اگر بنظر انصاف دیکھا جائے تو بادی النظر میں وہی کافی تھا۔ لیکن عربوں کی غیرت و حمیت سے خدا پناہ دے۔ یہ آگ ایک دفعہ بھڑک اٹھنے کے بعد جلدی بجھنے کا نام ہی نہیں لیتی۔ بلکہ واقعات تاریخ شاہد ہیں۔ کہ اس آگ کو خاموش کرنے کی جتنی زیادہ کوشش کی جاتی ہے یہ آگ اتنا ہی زیادہ بھڑکتی جاتی ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے۔ کہ اولاد تغلب نے عمرو بن کلثوم کے انتقام کو کافی نہ سمجھا۔ اور بعد میں اس کا بھائی مرہ بن کلثوم مزید بدلہ لینے کے لئے دوبارہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اور اپنی ماں کی توہین کا یوں بدلہ لیا۔ کہ نعمان اور اس کے بھائی کو قتل کر ڈالا۔ نعمان ملک عمرو بن ہند کا فرزند تھا۔ جس کو باپ کے بعد بنی تغلب کے سردار کی ماں کی اہانت کی پاداش میں باپ کی قربانگاہ نخوت پر بھائی سمیت بھینٹ چڑھنا پڑا

بے غرض محبت کی تلاش

از:۔ محترمہ رضیہ ناصرہ (لاہور)

اس کا نام "نیلوفر" تھا۔ اور وہ ایک شہزادی تھی گلاب سے چہرے اور نرگس جیسی آنکھوں والی ...... اس کے حسن و جمال کی دور دور تک دھوم تھی۔ لیکن آج تک اسے کسی نے دیکھا نہیں تھا۔ اس لئے کہ وہ اپنا دلفریب چہرہ ہمیشہ ایک سنہری نقاب میں ستور رکھتی۔ لوگ اسے ایک آسمانی ہستی تصور کرتے تھے ——— اسے بے غرض اور غیر فانی محبت کی تلاش تھی۔ مگر وہ اسے آج تک پا نہ سکی تھی

بہت سی تاروں بھری حسین راتیں۔ اور بہت سے خوشگوار دن اس نے اسی سوچ اور اسی فکر میں گزار دیئے تھے کہ ——— غیر فانی اور بے غرض محبت کا مسکن کہاں ہے؟

——— مگر بے غرضانہ محبت کی خوبصورت وادی کا اسے کوئی بھی نشان نہیں ملتا تھا

کبھی وہ چاند کی ٹھنڈی ٹھنڈی چاندنی میں، اپنے باغ میں چلی جاتی۔ اور خود فراموشی کے عالم میں پھولوں سے پوچھتی ——— "نازک پھولو! کیا تم بتلا سکتے ہو کہ مجھے بھی اور بے لوث محبت کہاں ملے گی؟" ——— مگر جواب میں پھول صرف مسکرا دیا کرتے۔ ادھر سے مایوس ہو کر وہ پریشان تلاش شہزادی۔ شاخ گل پر بیٹھی ہوئی بلبل کی طرف مخاطب ہوتی۔ اور سوز بھری آواز میں کہتی ——— "پیاری بلبل کیا تو جانتی ہے کہ بے غرضانہ محبت کس طرح حاصل کی جاتی ہے؟" ——— لیکن جواب میں بلبل ایک مرتبہ صرف ایک مرتبہ چہک کر خاموش ہو جاتی......

بارہا وہ رات کی خاموشی میں چپکے سے اپنے محل سے باہر نکل جاتی۔ اور دیوانوں کی طرح جنگلوں کی خاک چھانتی پھرتی راہ میں جو چیز بھی اسے ملتی۔ وہ اس سے یہی سوال کیا کرتی کہ "بے غرض محبت کہاں ہے؟" ایک دفعہ ایک دانش مند بوڑھے نے اسے بتایا۔ کہ "بیٹی تو اگر بے غرضانہ محبت کی تلاش میں ہے۔ تو وہ تجھے صرف ماں کے آغوش میں مل سکتی ہے"

مگر نیلوفر مسکرا دی۔ بالکل اسی طرح جیسے ہم کسی ننھے سے بچے کی بھولی سی باتوں پر مسکرا دیا کرتے ہیں۔ پھر کہنے لگی "بابا! ماں کی محبت بھی غرض سے خالی نہیں ہوتی۔ آہ! مجھے تو ایسی محبت کی جستجو ہے جو غرض کی آلودگی سے بالکل پاک ہو۔ جس میں "غرض" اور "نفسانیت" کا شائبہ تک نہ ہو" ——— بڑھے نے کہا "تم شادی کر لو بیٹی! جہاں تک میرا خیال ہے شوہر کی محبت تمام محبتوں سے پاکیزہ اور افضل ہوتی ہے" اس پر نیلوفر حقارت خیز انداز میں ہنس دی۔ بولی "تم بھی کمال کرتے ہو بابا! بھلا شوہر کی محبت سے پاکیزگی کو کیا تعلق؟ میں ہرگز شادی نہیں کر سکتی۔ شوہر صرف غرض کا بندہ ہوتا ہے۔ اسے اپنی بیوی سے مطلق محبت نہیں ہوتی۔ مرد محض اس لئے شادی کرتا ہے کہ وہ بیوی پر حکومت کر سکے۔ نیز اس کی سب سے بڑی خواہش یہ ہوتی ہے۔ کہ اس کی ...

عرصہ میں بچوں کی ایک فوج پیدا کر دے۔ جو پیری میں اس کے کام آئے۔" اب بڈھے کے ہنسنے کی باری تھی۔ اس نے اپنی بوڑھی اور کھوکھلی آواز میں ایک قہقہہ لگایا پھر بولا "بیٹی! منہ دھو رکھو۔ جس قسم کی محبت کی تمہیں تلاش ہے۔ اس کا وجود اس دنیا میں نہیں"

——— بادشاہ اور ملکہ اپنی پیاری شہزادی کے اس لاعلاج جنون کی بدولت سخت پریشان تھے۔ اور طرح طرح سے اسے سمجھاتے بجھاتے رہتے تھے مگر وہ ایک نہ سنتی تھی بڑے بڑے عالی جاہ اور ذی شان شہزادے اور نواب اس سے شادی کرنے کے خواستگار تھے۔ اور کئی کئی طریقوں سے "نیلوفر" کو اپنی سچی اور بے لوث محبت کا یقین دلانے کی کوششیں کرتے رہتے تھے مگر نیلوفر تھی۔ کہ ان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنا بھی گوارا نہ کرتی تھی۔ اس کے نزدیک دنیا و دنیا والے سبھی ریاکار، نفس پرست اور دغاباز تھے ———

اسی طرح کئی برس گزر گئے ——— شہزادی بدستور اپنے حال میں مست تھی۔ بالآخر ایک روز ملکہ نے تنگ آ کر نیلوفر سے صاف صاف کہہ دیا۔ کہ "اگر تم اب بھی شادی کرنے پر رضامند نہ ہوئیں۔ تو اس صورت میں تمہارے باپ کا یہ اٹل فیصلہ ہوگا۔ کہ تمہیں زبردستی کسی ایسے غریب اور ذلیل سے آدمی کے حوالے کر دیا جائے جس کے پنجے سے تم مرتے دم تک رہا نہ ہو سکو" اب کی مرتبہ ملکہ کی یہ دھمکی کارگر ثابت ہوئی کیونکہ نیلوفر نے کچھ سوچ کر کہا

"اچھا اگر شادی کے عذاب سے میں کسی عنوان بچ نہیں سکتی۔ تو پھر میری بھی ایک درخواست قبول کی جائے"

"کہو" ملکہ نے خوش ہو کر کہا

"سنئے میں اس شخص کے ساتھ شادی کروں گی جو میری دو شرطیں پوری کر دے گا"

"اور وہ کیا شرطیں ہیں؟"

"پہلی شرط تو یہ ہے کہ جسے مجھ سے شادی کرنے کی خواہش ہو۔ وہ مجھے میری گیارہ سہیلیوں میں سے شناخت کرے۔ اور دوسری یہ کہ اپنے خدا کو حاضر ناظر جان کر مجھ سے عہد کرے۔ کہ شادی کے بعد وہ مجھ سے ہمیشہ کے لئے بے غرضانہ محبت کرتا رہے گا۔ اس طرح کہ وہ میرے ہاتھ تک کو بھی چھونے کی جرأت نہیں کرے گا۔ اور اگر کبھی اس نے بھولے سے بھی اس قسم کی گستاخی کی تو اس کی سزا موت ہوگی"

"تمہاری یہ دونوں شرطیں لغو بھی ہیں اور کڑی بھی"! ملکہ نے کہا "میں نہیں سمجھ سکتی کہ ایسا وہ کون سا فرخندہ جوان زبردست شرطوں کی قید کے ساتھ تم سے شادی کرنے آئے گا۔ لیکن خیر، تمہاری درخواست منظور کر لی جائے گی"

——— تھوڑے ہی دنوں بعد شہزادی نیلوفر کی طرف سے اسی قسم کا ایک اعلان صادر کر دیا گیا۔ بس پھر کیا تھا بادشاہ اور ملکہ کی توقع کے خلاف، کئی ملکوں کے شہزادے اور کئی ریاستوں کے نواب جوق در جوق اس حسین ساحرہ کی بارگاہ ناز میں حاضر ہونے لگے۔ ان برساتی کیڑوں کی طرح جو راتوں کو اندھا دھند شمع پر گرنے لگتے ہیں ——— مگر افسوس کہاں سب میں سے کوئی بھی نیلوفر کو اس کی گیارہ سہیلیوں کے جھرمٹ میں سے شناخت نہ کر سکا۔ اور کوئی شناخت کرتا بھی تو کیسے؟ جب کہ آج سے پہلے کسی نے اسے دیکھا ہی نہیں تھا۔ اور پھر اس پر طرہ یہ تھا۔ کہ اس کی سہیلیاں بھی اسی کی طرح خوبصورت تھیں۔ اور اسی جیسے شاہانہ لباس میں۔ ان حالات

میں بے چارے شہزادے اسے کس طرح پہچان سکتے تھے
ادھر ان کی ناکامی پر نیلوفر دل ہی دل خوش ہو رہی تھی۔ وہ بخوبی
جانتی تھی کہ اس کی شرطیں پوری کرنا آسان کام نہیں۔ اس
نے تو شادی سے بچنے کے لئے ایک دلچسپ ترکیب سوچی
تھی۔ اور بس

تمام شہزادے مایوس و ناامید ہو کر واپس جا رہے
تھے۔

ایک روز نیلوفر حسب معمول اپنے شاندار محل میں اپنی
پری پیکر سہیلیوں کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ کہ خواص نے
آکر ایک شہزادے کے آنے کی اطلاع دی۔ نیلوفر نے
ایک شان استغنا کے ساتھ حکم دیا کہ "آنے دو" چند ہی
لمحوں بعد ایک خوبرو شہزادہ حاضر ہوا۔ اور اس حسن کی
مورتیوں کے سامنے ادب سے سر جھکا دیا۔ پھر وہ بلا جھجک
آگے بڑھا۔ اور قسمت پر بھروسہ کر کے، ایک لڑکی کے
گلے میں پھولوں کا ہار پہنا دیا۔ بہت سے نازک قہقہے ایک
ساتھ فضا میں بلند ہوئے۔ اور شہزادے نے شرمسار ہو کر
گردن جھکا لی۔ وہ سمجھ چکا تھا۔ کہ قسمت نے اس کا ساتھ
نہیں دیا۔ اور اس نے نیلوفر کی بجائے اس کی ایک سہیلی کو پھولوں
کے ہار سے نوازا ہے۔ نیلوفر نے شرارت بھری آواز سے کہا
"ہم آپ کے حسن انتخاب کی داد دیتے ہیں شہزادہ صاحب
واقعی "سنبل" بہت ہی خوبصورت لڑکی ہے۔" اس پر
شہزادے کی نظریں سنبل کی طرف اور "سنبل" کی نظریں
شہزادے کی طرف ایک ساتھ اٹھیں۔ اور شرما کر جھک گئیں
شہزادہ بولا "میں شہزادی نیلوفر کی خدمت عالیہ میں مودبانہ
گذارش کرتا ہوں۔ کہ وہ ازراہ نوازش خسروانہ۔۔۔۔۔ اپنی
حسین سہیلی سنبل کو مجھے بخش دیں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ
ان کی اس یادگار کو ملکہ بنا کر اپنے پہلو کو زینت دوں گا۔ میں
اس کے عوض میں بیش قیمت جواہرات نذر کرتا ہوں"

صنف نازک کے اس حسین مجمع پر سکوت چھا گیا
گہرا سکوت۔ سب سہیلیاں حیران حیران آنکھوں سے ایک
دوسرے کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ آخر ایک سہیلی "یاسمین" نے
شہزادی کے اشارے سے "سنبل" کو مخاطب کر کے کہا۔ "بولو
سنبل تمہیں ملکہ بننا پسند ہے یا شہزادی صاحبہ کی سہیلی
بنے رہنا؟"

سنبل نے شہزادے کی طرف کنکھیوں سے دیکھ کر
شرمائی ہوئی اور کچھ لرزتی ہوئی آواز سے کہا "ملکہ"

نیلوفر نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک اور سہیلی
نرگس کو کچھ سمجھا دیا چنانچہ نرگس اپنی جگہ سے اٹھی۔ اور سنبل کا
ہاتھ شہزادے کے ہاتھ میں دے کر کہنے لگی "لیجئے شہزادہ
صاحب! سنبل بھی اور آپ کے نذرانے کے جواہرات بھی
آپ کو مبارک ہوں" مگر وہ دل ہی دل میں سنبل کی بیوفائی
پر لعنت بھیج رہی تھی۔ دوسری سہیلیوں اور خود نیلوفر کا بھی حال
تھا ــــ

ــــ رات کی سیاہ فام رانی کا خواب آمیز طلسم عنقریب
ٹوٹنے والا تھا۔ اس نے صبح کی حسین پری اپنے سفید براق
آنچل کو ہوا میں لہراتی ہوئی افق مشرق سے آہستہ آہستہ
بڑھی چلی آ رہی تھی۔ موج نسیم انگڑائی لے کر اٹھی۔ اور خرام ناز سے
چمن کے سبز پوشوں کو گہری نیند سے بیدار کرنے لگی۔۔۔۔
کلیاں مسکرانے لگیں پھول ہنس پڑے اور ہرے بھرے
درختوں کی نرم و نازک شاخیں ...

بجانے لگیں۔ چمن والوں کے مسرت افزا قہقہے
سنکر شوریدہ سر بلبلیں بھی ہشیار ہو گئیں۔ اور محبت
کے دلکش گیت گاتی ہوئیں اپنے محبوب پھولوں
پر تصدق ہونے لگیں ــــ لیکن شہزادی
نیلوفر ابھی تک خواب ناز میں محو تھی۔ اس کی آبنوسی
معطر زلفیں، اس کے بلوریں سینے، گداز شانوں،
اور ریشمی تکیے پر بکھری پڑی تھیں۔ اور گاہے گاہے
ہوا کے جھونکوں سے کالی ناگنوں کی طرح بل کھانے
اور لہرانے لگتی تھیں۔ ٹمٹماتی ہوئی کافوری شمعیں
الوداعی نظروں سے اس حسن خوابیدہ کی طرف دیکھ
رہی تھیں۔۔۔۔۔۔ محل میں چاروں طرف خاموشی
تھی۔۔۔۔۔۔۔

آہستہ بہت ہی آہستہ سے، خوابگاہ کا دروازہ
کھلا۔ پردے کو جنبش ہوئی۔ اور ایک نقاب پوش
انسان اندر داخل ہوا! وہ پہلے تو تھوڑی دیر
تک چپ چاپ کھڑا رہا۔ پھر دبے پاؤں نیلوفر کی طلائی
مسہری کی طرف بڑھا۔ اور جھک کر بڑے غور سے
نیلوفر کی صورت دیکھنے لگا۔ ایک لمحہ بعد اس نے
اپنے سیاہ لبادے میں ہاتھ ڈال کر جگمگاتے ہوئے
ہیروں کی ایک مالا نکالی۔ اور کانپتے ہوئے ہاتھوں
سے شہزادی کی مسہری پر تکیے کے نیچے رکھ دی۔۔۔۔۔
ایک مرتبہ پھر سوتی ہوئی نیلوفر کی طرف دیکھا۔ اور
جس راہ سے آیا تھا اسی راہ سے واپس لوٹ گیا۔

نیلوفر اب تک اسی طرح نشہ خواب میں مدہوش
پڑی تھی۔ مدہوش اور دنیا و مافیہا سے غافل۔۔۔۔۔

صبح کی نورانی پری کی سواری آ پہنچی اور کائنات
ہستی نور و سرور کے سمندر میں تیرنے لگی۔ شہزادی
کی کنیزیں اپنے اپنے ساز لئے ہوئے خوابگاہ میں
داخل ہوئیں۔ شمعیں گل کر دیں۔ اور دھیمے سروں
میں گانے بجانے لگیں۔ کیونکہ شہزادی کو جگانے کا
یہی طریقہ تھا، فضائیں اس نغمہ صبحگاہی سے لبریز
ہو گئیں۔ اتنے میں نیلوفر کی لانبی لانبی پلکوں کو جنبش
ہوئی۔ اور پھر اس نے اپنی کنول جیسی خوبصورت آنکھیں
کھول کر خواب آلود نگاہوں سے کنیزوں کی طرف
دیکھا۔ ساز تھم گئے۔ راگ بند ہو گیا۔ اور کنیزیں حسب
معمول آگے بڑھ کر آداب بجا لائیں۔ عین اسوقت
نیر درخشاں کی ایک رنگین کرن دریچہ کی راہ سے
اندر داخل ہوئی۔ اور نیلوفر کے عین چہرے پر سے
ہوتی ہوئی، ہیروں کی اس نفیس ترین مالا پر پڑی،
جو ایک گھنٹہ قبل ایک پراسرار اجنبی یہاں رکھ گیا تھا
کنیزوں کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ اور نیلوفر نے
تعجب خیز نگاہ سے ادھر دیکھا۔ پھر اس نادر و نفیس
مالا کو ہاتھ میں لیکر سوچنے لگی کہ یہ راتوں رات کہاں
سے آ گئی؟ اسے کون لایا؟ اور کیوں لایا ــــ؟
مگر کوئی بات اس کی سمجھ میں نہ آتی تھی۔ بالآخر اس
نے اپنے محل کے خدمتگاروں اور دربانوں سے لیکر
پہرہ داروں تک سے دریافت کرایا کہ رات کو
کسی نے کسی اجنبی مرد یا عورت کو تو محل میں
داخل ہوتے ہوئے نہیں دیکھا؟ لیکن ہر ایک
کی طرف سے نفی میں ہی جواب ملا۔ نیلوفر کی حیرت

میں دم بدم اضافہ ہو رہا تھا۔ اور نہ صرف حیرت میں بلکہ اس کی محبت میں بھی ترقی ہوتی جاتی تھی! ہاں اب یہ مغرور شہزادی اس مالا کے مالک سے غائبانہ محبت کرنے لگی تھی۔ اور اس سے ملنے کے لئے بیقرار رہنے لگی تھی۔

——— اس واقعہ کے چند ماہ بعد ایک نووارد شہزادے نے نیلوفر کو یہ پیغام بھجوایا کہ ———

"شہزادی صاحبہ! یہ ناچیز بندہ آپ کی بارگاہ ناز میں حاضر ہونے کا فخر حاصل کرنا چاہتا ہے۔ براہ کرم اسے بھی قسمت آزمائی کی اجازت دی جائے! آپ کی اس عنایت کے صلے میں، یہ غلام بے غرض اور لازوال محبت کا انمول تحفہ آپ کے حضور میں پیش کرے گا۔"

شہزادی اس کھیل سے اب اکتا چکی تھی۔ اور اس لئے اب کسی سے ملنا پسند نہ کرتی تھی۔ لیکن پھر بھی کچھ سوچ کر اس نے نووارد شہزادہ کو حاضر ہونے کا اذن دیا۔ وہ حسب سابق اپنے شاندار محل کے ایک فردوس فریب کمرہ میں اپنی سہیلیوں کی معیت میں بیٹھ گئی۔ مگر اس دفعہ اس نے اور اس کی سہیلیوں نے شاہانہ لباس کی جگہ عام عورتوں کی طرح بالکل سادہ لباس پہنا تھا۔ جب شہزادہ آیا تو نیلوفر کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ وہ خوبصورت شہزادہ بھی سادے اور معمولی سے کپڑے پہنے ہوئے ہے۔ نووارد شہزادہ گلریز، ادھر ادھر دیکھے بغیر، سیدھا نیلوفر کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ اور گردن کے ایک نیازمندانہ خم کے ساتھ پھولوں کا نکہت بیز ہار اس کے گلے میں پہنا دیا!

نیلوفر دم بخود ہو کر رہ گئی۔ اور اس کی سہیلیاں حیرت فروش نگاہوں سے کبھی شہزادہ کو اور کبھی شہزادی کو تکنے لگیں۔ مگر گلریز کی حالت ان سے مختلف تھی وہ خوشی سے پھولا نہ سماتا تھا۔ اور ایک فتح مندانہ مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر لہرا رہی تھی۔ نیلوفر نے ہاتھ کے اشارے سے اپنی سہیلیوں کو دوسرے کمرہ میں جانے کا حکم دیا۔ اور جب وہ چلی گئیں تو اس نے یہ کہکر مہر خاموشی کو توڑا۔

"شہزادہ صاحب! میں حیران ہوں کہ آپ نے کس طرح آتے ہی مجھے شناخت کر لیا"؟ شہزادہ مسکرا دیا۔ پھر بولا "یہ ایک راز کی بات ہے۔ جسے میں سر دست ظاہر نہیں کرنا چاہتا۔ اچھا اب فرمایئے کہ میرے لئے کیا حکم ہے"؟

"آپ نے پہلی شرط تو پوری کر دی ہے۔ مگر ابھی دوسری شرط باقی ہے۔ کیا آپ اسے بھی پورا کر سکتے ہیں"؟

"ہاں دل و جان سے" شہزادہ نے جواب دیا

"اچھا تو پھر دوسری شرط کے عہدنامہ پر دستخط کر دیجئے"

"ابھی لیجئے۔ میں بلا تامل دستخط کئے دیتا ہوں۔ اور اگر آپ نے مجھے اپنی غلامی میں قبول کر لیا تو آپ دیکھیں گی کہ میں کس قدر صادق العہد ہوں!"

"ہاں۔ یہ تو وقت آنے پر معلوم ہو گا۔ لیکن اتنا یاد رکھئے کہ آپ کی وعدہ خلافی کی سزا "موت" ہو گی"!

شہزادہ ہنس پڑا۔ "اس یاد دہانی کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اچھا اب میں بھی ایک درخواست کرنے کی

جرأت کرتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ اگرچہ میں ایک شہزادہ ہوں۔ لیکن شاہانہ شان و شوکت اور تکلفات سے مجھے سخت نفرت ہے۔ میں سادگی پسند ہوں۔ اور اس لئے سادہ زندگی بسر کرنا چاہتا ہوں۔ کیا آپ میری بظاہر اس عجیب و غریب خواہش کا احترام کر سکیں گی"؟

"کیوں نہیں" نیلوفر نے کہا "مجھے بھی ایسی ہی سادہ آزادانہ زندگی سے محبت ہے"۔

"پھر تو میں واقعی دنیا کا سب سے زیادہ خوش نصیب آدمی ہوں! میاں بیوی کا ہم مذاق اور ہم خیال ہونا سب سے بڑی نعمت ہے"۔

"ٹھیک! لیکن بے غرضانہ محبت کے سامنے یہ نعمت بھی ہیچ ہے۔ مجھے اور کسی چیز کی آرزو نہیں۔ اگر آرزو ہے تو صرف بے لوث محبت کی! بس یہی میرا منتہائے زندگی ہے"۔

"اے جنت ارضی کی حور! میں سچے دل سے عہد کرتا ہوں کہ میں ...... زندگی کے آخری سانس تک آپ سے محبت کئے جاؤں گا۔ فرشتوں کی طرح بے لوث اور غیر فانی محبت"! نیلوفر کی حسین آنکھیں وفور مسرت سے چمکنے لگیں۔ گلریز کے ان شیریں اور پرجوش الفاظ نے اس پر جادو کر دیا۔ اور وہ وہیں بیٹھے بیٹھے مستقبل کے میٹھے سپنے دیکھنے میں محو ہو گئی!

"کیا سوچ رہی ہیں آپ"؟ ——— شہزادہ کی آواز سنکر شہزادی اپنی دنیائے خیال سے واپس آگئی۔ چونک کر بولی "یہی کہ ہماری مشترکہ زندگی کس قدر پرکیف اور شاندار ہو گی ...... ہاں اب مجھے وہ راز کی بات تو بتلایئے"؟

"ابھی نہیں پھر عرض کروں گا" "خیر نہ بتلایئے میں سمجھ گئی ہوں کہ ...... رات کے اندھیروں میں چھپ کر آنے والا چور کون تھا"!

"اف"! شہزادے کے منہ سے نکلا۔ اور وہ رحم طلب نظروں سے نیلوفر کی طرف دیکھنے لگا۔

"اب آپ ہی کہیئے کہ اس قسم کے دھوکے باز چوروں کی کیا سزا ہو" شہزادی نے بناوٹی خفگی سے کہا۔

"میں اپنے جرم کا اقبال کرتا ہوں۔ لیکن ساتھ ہی رحم کی درخواست بھی۔ کیونکہ میں عام چوروں کی طرح آپ کی کوئی چیز چرا کر نہیں لے گیا تھا۔ بلکہ کچھ دے ہی گیا تھا" شہزادی یہ سن کر مسکرانے لگی۔ پھر بولی "یہ تو میں ہی بہتر جانتی ہوں کہ میری خوابگاہ میں داخل ہونے والا چور میری کیسی قیمتی اور عزیز چیز چرا کر لے گیا تھا! لیکن خیر سزا دینے میں وہ لطف کہاں جو معاف کر دینے میں ہے"! اس پر دونوں ہنسنے لگے ———

——— چند ہی روز بعد شہزادی نیلوفر اور شہزادے گلریز کو نکاح کی طلائی زنجیروں میں جکڑ دیا گیا! گلریز نے دامن کوہ میں ایک خوشنما مکان تعمیر کرایا۔ اور نیلوفر کی حسین معیت میں ایک پاکیزہ، مقدس، اور معصوم زندگی بسر کرنے لگا ——— لیکن پھر تھوڑی ہی مدت بعد شہزادے کی افسردہ دلی کا آغاز ہو گیا۔ ہر چند کہ اسے نیلوفر سے والہانہ محبت تھی۔ اور علاوہ ازیں دنیا کی ہر ایک نعمت اسے میسر تھی لیکن اس کے باوجود وہ حقیقی خوشی سے کوسوں دور ہو گیا تھا اور وہ ہر وقت

غمگین افسردہ اور ملول رہنے لگا۔ نیلوفر کی تمنا تھی کہ اس کا پیارا شوہر ہمیشہ کی طرح آٹھوں پہر اس کے پاس بیٹھا رہے اور اپنی شیریں کلامی سے اس کی روح کو سرور کرتا رہے۔ لیکن گلریز اب تنہائی پسند ہو گیا تھا۔ اب وہ اکثر اوقات اپنے کمرہ میں اکیلا بیٹھا ہوا کسی سوچ میں ڈوبا رہتا تھا۔ دراصل بات یہ تھی کہ اسے امید واثق تھی کہ شادی کے بعد اس کی سرکش اور ضدی رفیقہ کے خیالات میں خود بخود ہی تبدیلی ہو جائیگی۔ اور وہ فطرت انسانی کے مطابق اس کے جذبات محبت کی تسکین کرنے کے قابل ہو جائیگی۔ لیکن اب یہ اندازہ کرکے اس کا دل ٹوٹ گیا تھا کہ نیلوفر نہایت مضبوط عزم و استقلال کی مالک ہے! اور اسے رام کر لینا آسان بات نہیں۔

ادھر نیلوفر تھی کہ گلریز کی بے مہریاں اور کم التفاتیاں محسوس کرکے رات دن کڑھتی رہتی تھی۔ اگرچہ وہ روحانیت کی پاکیزہ فضاؤں میں پرواز کرتی رہتی تھی۔ مگر آخر تھی تو وہ ایک عورت ہی۔ اور عورت ہمیشہ شوہر کی محبت کی بھوکی رہتی ہے۔ شوہر کی محبت عورت کی روح کی غذا ہوتی ہے۔ نیلوفر بھی اپنی نسوانی فطرت کے مطابق گلریز کی محبت کی بھوکی تھی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ وہ اس سے روحانی محبت کی طالب تھی لیکن اب گلریز اپنے اصلی روپ میں ظاہر ہو چکا تھا۔ نیلوفر کے تصورات کی روشن دنیا اب مضمحل اور بے معنی سی ہو کر رہ گئی تھی۔ اور وہ ہر لحظہ اس سوچ اور اسی فکر میں مستغرق رہتی تھی کہ اس کی زندگی میں .... سادہ پر امن اور پاک و صاف زندگی میں کس چیز کون سے عنصر کی کمی رہ گئی ہے؟ لیکن اس سوال کا جواب اسے کہیں سے نہیں ملتا تھا بیکایک نیلوفر کی ساکن زندگی میں ایک زبردست اور غیر متوقع انقلاب رونما ہوا جس نے اس کے خیالات کی دنیا کو تہ و بالا کر دیا! اس کے محسوسات میں ہلچل ڈالدی! اور اس کے خفتہ جذبات کو بیدار کرکے ایک ہیجان عظیم برپا کر دیا ــــــ یعنی اب وہ ایک ننھے منے بچے کی آرزو میں بیتاب رہنے لگی!!

ہاں بیتاب اور سراپا اضطراب۔ اسے اب معلوم ہوا کہ عورت کی ازدواجی زندگی کی سب سے بڑی نعمت بچے ہیں! ان عورتوں کی طرف دیکھ کر جن کی گود پھول سے گالوں والے بچوں سے آباد تھی! اس کے منہ سے ایک حسرت بھری آہ نکل جاتی تھی۔ اور نرگسی آنکھیں جو روحانیت کے خواب دیکھنے کی عادی تھیں، پرنم ہو جاتی تھیں۔ وہ چاہتی تھی کہ کاش! اس کی گود میں بھی ایک بھولا بھالا ننھا سا بچہ ہو جس سے وہ رات دن کھیلتی رہے۔ جس کے گلابی ہونٹوں پر معصومانہ مسکراہٹیں دیکھ کر وہ اپنا رنج و غم بھول جائے اسے سینے سے لگائے۔ اور بھینچ بھینچ کر پیار کرے۔ لیکن پھر وہ ایک ٹھنڈی آہ بھر کر اپنے آپ سے کہتی۔

"نیلوفر! تیری یہ خواہش لاحاصل ہے"

ــــــ بہار کی ایک دلفریب شام تھی۔ گلریز اور نیلوفر ندی کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے۔ ہوا کے آہستہ خرام جھونکے نیلوفر کی زلفوں کے ساتھ

سرگوشیاں کر رہے تھے۔ خوشنوا چڑیوں کی میٹھی میٹھی راگنیوں نے ایک سماں باندھ رکھا تھا۔ اور گل لالہ کی بھینی بھینی خوشبو سے فضا مہکی ہوئی تھی۔ لیکن وہ دونوں خاموش تھے۔ خاموش اور اپنے اپنے افکار میں گم ...... پاس ہی ایک پیڑ پر چڑیا نے گھونسلہ بنا رکھا تھا۔ بچے چوں چوں کرکے اپنی خوشیوں کا اظہار کر رہے تھے۔ دفعتہً چڑیا کا ایک ننھا سا بچہ گھونسلے سے گر پڑا۔ چڑیا اور چڑا اپنی چونچیں کھول کھول کر شور مچا رہے تھے۔ نیلوفر دوڑ کر گئی۔ اور بچے کو اٹھا کر گھونسلے میں رکھنے کی کوشش کرنے لگی۔ مگر گھونسلے تک اس کا ہاتھ نہیں پہنچا تھا۔ گلریز نے دیکھا تو وہ بھی اٹھ کر اس کے پاس جا کھڑا ہوا۔ اور پوچھنے لگا۔ "یہ کیا ہو رہا ہے"؟ نیلوفر بولی۔ "دیکھئے تو ذرا کیسا پیارا پیارا بچہ ہے یہ"۔

"ہاں لیکن تمہیں تو بچوں سے نفرت ہے"؟

"پہلے تھی۔ اب نہیں رہی"۔

"کیوں نہیں رہی"؟

"ذرا اس غریب بچے کو گھونسلے میں تو رکھ دو۔ اس کے ماں باپ پریشان ہو رہے ہیں"۔ گلریز نے بڑی مشکل سے بچے کو گھونسلے میں رکھا۔ اور پھر وہی ذکر چھیڑ دیا ــــــ "کیا چڑیا کے بچوں میں، انسانی بچے بھی شامل ہیں"؟ وہ مسکرا رہا تھا۔

"ہاں۔ کیونکہ انسانی بچے تو ان سے بھی کہیں بڑھ کر پیارے اور خوبصورت ہوتے ہیں۔ پیارے گلریز! ایک بات کہوں مانو گے"؟

"کہو۔ کیا بات ہے"؟ ــــــ پہلے وعدہ کرو تو کہوں۔"

"نہیں پہلے تم کہو۔ پھر میں وعدہ کروں گا"۔

"مجھے کہیں سے ...... ایک بچہ لادو۔ مگر ہو بہت خوبصورت"۔ نیلوفر نے التجائی لہجہ میں کہا۔ گلریز چونک پڑا۔ "ایں! بچہ لادوں تمہیں۔ مگر کس کا بچہ؟ چڑیا کا یا بلی کا"؟

"مذاق رہنے دو جی۔ مجھے ایک انسانی بچہ چاہئے"

"ہوں! انسانی بچہ! تو کیا بچے بھی گاجر مولی کی طرح بازاروں میں بکتے ہیں"؟ گلریز کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

"یہ بات نہیں تم اس طرح کرو کہ کسی غریب عورت کو منہ مانگی قیمت دیکر ایک بچہ حاصل کر لو۔ اور اگر یہ ناممکن ہو تو پھر کوئی لاوارث بچہ تلاش کر لاؤ۔ میں اسے اپنا بچہ سمجھ کر اس کی پرورش کروں گی"۔

"رہنے بھی دو" گلریز نے طعن آمیز لہجہ میں جواب دیا۔ "تم کیا پرورش کرو گی۔ یہ صرف ماؤں کا حصہ ہے۔ ہاں ماں کی مقدس ترین ہستی ہی یہ بار اٹھا سکتی ہے"۔ نیلوفر کی آنکھوں میں آنسو چھلکنے لگے۔ بولی کیسے بے رحم ہو تم۔ کہ طعن آمیز باتوں سے میرے دل کو دکھاتے رہتے ہو۔ افسوس کہ اب تمہیں مجھ سے ذرا بھی محبت نہیں رہی۔ اور تم اپنے تمام عہد و پیمان بھول گئے ہو۔ تم مردوں کی بے وفائی تو مشہور عالم ہے جبھی تو شادی سے گریز کرتی تھی۔ مگر تم مجھے دام میں پھانس کر ہی رہے"۔

"یہ محض تمہارا وہم ہے نیلوفر میں اپنے عہد پر

بدستور قائم ہوں۔ تم مجھ سے صرف بیغرضانہ محبت کی طالب تھیں۔ سو وہ تمہیں برابر مل رہی ہے۔"

"یہ اچھی محبت ہے کہ میرے دکھ سکھ سے تمہیں کوئی سروکار ہی نہیں۔ کیا یاد ہے تمہیں؟ پچھلے دنوں جب میں بیمار تھی۔ اور ایک دفعہ مجھے غش آ گیا تھا۔ تو تم سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ مجھے ہوش میں لانے کی کوشش کرتے"

"سنو نیلوفر! اگر مجھے بے موت مرنے کی خواہش ہوتی تو پھر البتہ ضرور تمہیں ہوش میں لانے کی کوشش کرتا۔ لیکن میں ابھی جینا چاہتا ہوں۔ گو اس زندگی سے موت بدرجہا بہتر ہو گی۔ مگر تاہم میں ابھی کچھ دن اور زندہ رہنا چاہتا ہوں۔" گلریز کے منہ سے ایک گہری آہ نکل گئی۔

"میں سمجھ نہیں سکی تم کیا کہہ رہے ہو؟"——

"میں یہ کہہ رہا ہوں کہ عہدنامے کی رو سے میں تمہیں کسی حالت میں بھی چھونے کا مجاز نہیں ہوں۔ خواہ تم میرے سامنے مر ہی کیوں نہ جاؤ! اور اگر کبھی میں بھول کر بھی ایسی حرکت کر بیٹھوں تو اس کی سزا موت ہو گی۔ پھر تم ہی انصاف سے کہہ دو کہ میں تمہارے دکھ درد میں کیونکر حصہ لے سکتا ہوں؟ علاوہ ازیں عہد نامہ میں یہ کہیں نہیں لکھا ہوا کہ میں تمہارے دکھ سکھ کا بھی ذمہ دار ہوں۔ مجھے تو صرف یہ حکم ہے کہ تم سے الگ رہتے ہوئے۔ تم سے محبت کرتا رہوں چنانچہ اس حکم کی مدت سے میں تعمیل کر رہا ہوں۔"

نیلوفر نے کچھ جواب نہ دیا۔ اور سسکیاں بھر کر رونے لگی۔ اس کی خوبصورت آنکھوں سے آنسو موتیوں کی طرح گرنے لگے۔ یہ اولین موقعہ تھا کہ گلریز نے اسے روتا ہوا دیکھا تھا۔ وہ کسی اضطراری جذبے کے زیر اثر تڑپ کر اٹھا۔ اور بیخودی کے عالم میں نیلوفر کی گردن میں باہیں حائل کر دیں! لیکن پھر یک لخت اسے یاد آ گیا کہ وہ ایک ایسے سنگین جرم کا مرتکب ہو رہا ہے جس کی سزا موت ہے! گلریز فوراً بجلی کی سی تیزی سے پیچھے ہٹ گیا۔ جیسے کسی زہریلے کیڑے نے اسے اچانک کاٹ لیا ہو۔ لرزتی ہوئی آواز میں بولا "میں تمہارا مجرم ہوں نیلوفر! اس لئے یہ سر حاضر ہے۔ اسے اپنے ہاتھ سے قلم کر دو۔" اور اس نے اپنا سر اس کے سامنے جھکا دیا۔

"ہاں تم میرے قانونی مجرم ہو۔ لیکن چونکہ تم مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہو اس لئے میں تمہاری جان بخشی کرتی ہوں۔ آئندہ کے لئے محتاط رہنا۔"

"نہیں نیلوفر! مجھے اب جینے کی تمنا نہیں۔ اس زندگی سے موت اچھی ہے۔ یا تو تم اس منحوس عہد نامے کو چاک کر دو۔ اور یا مجھے اسی دم موت کے گھاٹ اتار دو۔ اب میں زیادہ عرصہ تک عذاب نہیں برداشت کر سکتا۔ میری قوت برداشت کی اب انتہا ہو چکی ہے!"

"بس۔ ابھی سے ہمت ہار چکے؟ کیا اسی دل گردہ پر مجھ سے بے لوثانہ محبت کا وعدہ کرنے چلے تھے؟ مگر یاد رکھو کہ نہ تو میں مرنے دوں گی اور نہ وہ عہد نامہ چاک کروں گی۔"

"اچھا تو لو خدا حافظ!

تمنائے مدینہ

از:۔ حکیم سید شہاب صاحب علوی امروہی

خدا اب جلد دکھلائے مدینہ
ستاتی ہے تمنائے مدینہ

بسا ہے سر میں سودائے مدینہ
تیری فرقت میں لیلائے مدینہ

زباں پر ہے میری ہائے مدینہ

صبا بہر خدا طیبہ میں جا کر
بیاں کر شہ سے میرا حال مضطر

تڑپتا ہوں تپ فرقت میں شب بھر
تمہارے ہجر میں ہے حال ابتر

خبر لو اے مسیحائے مدینہ

تمہارے روئے زیبا پر ہوں مائل
تمہاری تیغ الفت سے ہوں گھائل

تڑپتا ہوں برنگ مرغ بسمل
نہیں قابو میں میرے اب میرا دل

کرم ہو اے دل آرائے مدینہ

بلا کر اپنے روضہ پر خدارا
دکھا دو مجھ کو اپنا روئے زیبا

وہاں سے ہند میں ہو پھر نہ آنا
نہیں اس کے سوا کوئی تمنا

کہ ہوں میں خاک صحرائے مدینہ

خبر بہر خدا شاہ مدینے لو
بس اب تو اپنے روضہ پر بلا لو

شہاب زار کو اپنے سنبھالو
وہ ڈوبا بحر عصیاں میں نکالو

اغثنی شاہ و مولائے مدینہ

حُب کا عمل

انسانہ

محترمہ بلقیس بانو (اردو فاضل)

کہتے ہیں اثر اور ہر دلعزیزی خداداد یا خداساز ہوتی ہے۔ اور یہ ہے بھی سچ۔ اس کی زندہ مثال میری زندگی ہے بعض مرتبہ میں پہروں سوچتی ہوں لیکن یہ بھید سمجھ میں نہیں آتا کہ عزیزوں اور ملنے جلنے والیوں کے ساتھ میرے برتاؤ میں وہ کیا خاص بات ہے کہ جس کو دیکھو میری صلاح کا متمنی اور اس پر عمل کرنے کا خواہشمند۔ میری سہیلیوں کا یہ حال کہ شام ہوئی اور جمع ہو گئیں۔ ذرا کچھ مشکل پیش آئی۔ اور صلاح لینے کے لئے آن موجود ہوئیں۔ میرا سینہ سینکڑوں رازوں کا گنجینہ تھا۔ یہ سب کچھ میرے لئے تو دفع الوقتی اور دلچسپی کا ذریعہ تھا۔ صاحب رائے ہونا تو عادت پڑ گئی کہ کوئی صلاح پوچھے بلا سوچے سمجھے ایک رائے دیدیتی اب یہ کہ میری رائے کیوں ٹھیک ہوتی اور کس لئے صائب سمجھی جاتی تھی یہ مجھے خود نہیں معلوم اس کا فیصلہ تو وہی کریں جنہوں نے زبردستی مجھے ناصح مشفق بنا ڈالا۔

اس سلسلے میں ایک بڑا لطیف واقعہ یاد آ گیا ہے سن کر آپ کے لبوں پر اگر خفیف سی مسکراہٹ بھی آ گئی تو میں سمجھوں گی کہ میری محنت ٹھکانے لگی جس سہیلی کا تعلق اس واقعہ سے ہے وہ تو اپنی حماقت کی داستان کا یوں دہرایا جانا ہرگز پسند نہ کریں گی۔ بہت جلیں گی خوب بگڑیں گی۔ خیر تو ہوا یہ کہ والد صاحب مرحوم کو میلاد شریف سننے اور منعقد کرانے کا بڑا شوق تھا ہر سال ربیع الاول میں تو خاص اہتمام ہوتا تھا میں بھی اس موقع پر بلائی جاتی تھی۔ اس سال بھی میلاد شریف دھوم دھام سے ہوا نزہت نے اپنے خاص طرز میں پڑھا کچھ اس طرح کہ سننے والے تڑپ اٹھے نزہت کی آواز کیا تھی جادو تھی جو دلوں کو مسحور کر لیا کرتی تھی۔ اس پر اس کی نئی صورت۔ یس پڑھتے وقت بالکل جادوگرنی معلوم ہوتی تھی۔

بزم میلاد میں بہت سی نئی بیبیاں تھیں ان سب کے سامنے میری سہیلیوں نے میرا اتنا ذکر کر رکھا تھا کہ مزید تعارف کی ضرورت ہی نہ رہی تھی۔ انہیں بیبیوں میں ایک جو بہت ہی کمسن تھیں اور حسین بھی بڑے ہی غور سے بار بار میری طرف دیکھ رہی تھیں محفل کے ختم ہوتے ہی وہ میرے نزدیک آئیں۔ بڑے تپاک سے ملیں گویا برسوں کی ملاقات تھی۔ مجھے بتایا گیا کہ ایک نئے ڈپٹی کلکٹر آئے ہیں۔ یہ ان کی بیوی ہیں جنہیں مجھ سے ملنے کا غائبانہ بڑا اشتیاق تھا چلو اس طرح ہماری اور عذرا کی دوستی ہو گئی۔ بہت ہی جلد گھل مل گئیں۔ اکثر اپنے گھر بلا بھیجتی خود بھی بار بار ملنے آتیں اور کہا کرتیں کہ آپ کی باتوں سے میرا غم غلط ہوتا ہے۔ یہ غم غلط ہونے کے فقرے پر میں بہت چونکتی۔ یہ صورت یہ سن اور غم خدا کی پناہ بھلا کوئی

بھی یقین کرے گا۔ بعد میں نزہت ثروت اور شکیلہ نے بتایا کہ بیچاری کی خانگی زندگی اچھی نہیں — مجھ سے صلاح لینے کی متمنی ہیں۔

یہ پہلا موقعہ تھا کہ میں سوچ میں پڑ گئی اور اپنی سہیلیوں سے کہا کہ خدا کے لئے تم ہی انصاف کرو میاں بیوی کا جھگڑا اور صلاح۔ بھلا میں کیا صلاح بتاؤں گی مگر یہ تو تھیں ایسی شیطان۔ بھلا ماننے والی تھیں۔ ان کو تو ہنسنے ہنسانے کے لئے ایک نیا مشغلہ روز چاہئے تھا۔ بھولی عذرا سے کرید کرید کر ایک ایک بات پوچھتیں اور پہروں ہنستیں اب جو قریب ایک سال بعد مجھ سے ملی تھیں تو شرارت اور زوروں پر تھی۔ روز کچھ نہ کچھ کرتی رہتیں۔ ایسی شرارت کہ شیطان کو بھی نہ سوجھے الغرض ہوا یہ کہ ایک روز اپنی مصیبتوں کا حال عذرا نے رو رو کر سنا ہی ڈالا اور بڑی مسکین صورت بنا کر صلاح پوچھی۔ رب العرش! صلاح اور وہ بھی ایسے نازک معاملے میں نہ کبھی پہلے کی ملاقات نہ طبیعتوں سے واقف نہ حالات سے آگاہ۔ آخر میں کیا صلاح بتاؤں۔ اور کیسے صلح کراؤں۔

”بہن راستہ چلتوں سے ایسے نازک معاملات میں صلاح نہیں لیا کرتے“ تھوڑے توقف کے بعد میں نے کہا۔

”نہیں عذرا یہ ضرور صلاح دینگی۔ ان کی تو عادت پہلے ذرا خوشامد کرانے کی ہے ہی“ نزہت نے شرارت سے کہا۔ شکیلہ بولی ”عذرا تم ہمت نہ ہارو صلاح تو ان کو بتانا ہی پڑے گی بہت دنوں کے بعد آئی ہیں تو ذرا غرور کرنے لگی ہیں“ ثروت نے ایک اور چرکا دیا۔

ان تیر و نشتر جیسے فقروں کی تاب نہ لا کر میں نے آخر آٹھ روز کی مہلت مانگی لیکن کثرت رائے سے تین روز غور کرنے کے لئے ملے۔ بھلا جس کے سر پر نزہت، ثروت اور شکیلہ جیسی تین جن پریوں کی صورت میں مسلط ہوں اسے کہاں نجات مل سکتی ہے۔ کمبختوں کے مارے تمام دن تو ان سے نجات نہ تھی صبح ہوئی اور اپنے اپنے گھر کے ضروری کاموں سے فارغ ہو وارد ہو جاتیں۔ پھر تو میرے ہی پاس تمام دن کے لئے جم جاتیں یا پھر کہیں پکنک ٹی پارٹی کے لئے نکل کھڑی ہوتیں اور مجھے بھی پکڑ لے جاتیں یہ اطرح یقینوں جب شرارت پر اتر آتیں تو شوہر سے بچوں سے گھر سے بلکہ ساری دنیا سے بے نیاز ہو جاتیں۔ اور اب تو شرارت یوں بھی زوروں پر تھی کہ انھوں نے بیوقوف بنانے کے لئے اپنے ساتھ بھولی عذرا کو بھی لگا لیا تھا۔ یاد ش بخیر وہ بھی کیا زمانہ تھا۔ کیا دن تھے۔ کیا راتیں ؎

گذاری تھیں خوشی کی چند گھڑیاں
انہیں کی یاد میری زندگی ہے

کہنے کو تین دن تھے۔ اتنے عرصے میں اگر انسان کا دماغ صحیح ہو تو کیا کچھ نہیں ہو سکتا۔ لیکن اتفاق کہ ہر چند دماغ پر زور ڈالا۔ رات دن سوچتی رہی مگر کوئی تدبیر سمجھ ہی میں نہ آئی۔

واقعہ یہ تھا کہ عذرا اور اس کا شوہر دونوں بیجا ضد اور ہٹ دھرمی کی بدولت ایک دوسرے کو تباہ کر رہے تھے۔ دونو تکلیف میں تھے اور اس تکلیف کا ازالہ اس مشکل کا حل خود کردہ را علاجے نیست کے مصداق ان کی سمجھ میں کچھ بھی نہ تھا۔ تو با برٹے کے ساتھ

"بس کرو عذرا! میں نے اکتا کر کہا "اسی پر کہتی تھیں کہ کہنے پر عمل کروں گی"

"نہیں آپا! میں نے تو واقعات کا اظہار کیا۔ اور آپ کا کہنا تو میرے سر آنکھوں پر۔ آپ جیسا کہیں گی کروں گی بلکہ آج بھی کہ گھر جا کر کیا کروں" عذرا نے شرمندہ ہو کر کہا۔

"دیکھو عذرا کل سے میرا عمل شروع ہوگا" میں نے جواب دیا۔ "اور کل ہی سے تمہیں میری ہدایات پر عمل بھی کرنا پڑے گا۔ آج کا دن تو خیر کسی طرح گذار لو۔ کل صبح اٹھ کر غسل کر کے صاف کپڑے پہننا خوشبو لگانا گھر صاف رکھنا ایک دو کام ڈپٹی صاحب کے تم اپنے ہاتھ سے کرنا اور وہ بھی اس طرح کہ ان کی نظر تم پر پڑے اور وہ دیکھ لیں اور ہاں اگر تکلیف نہ ہو تو ایک آدھ چیز اپنے ہاتھ سے تم ان کے لئے پکا بھی لیا کرو اور جہاں تک ممکن ہو ہر وقت بشاش اور خاموش رہو۔

اتنے سخت احکامات سننے کے لئے عذرا بالکل تیار نہ تھی اس نے عذر کرنا چاہا۔ وہ اس نے اس طرح منہ کھولا جیسے کہ وہ کچھ کہنا چاہتی ہے۔ لیکن میں نے فوراً بڑھ کر اس کی زبان بند کر دی۔

"سنو عذرا۔ یہ سب پابندیاں اس لئے ہیں کہ عمل کے زمانہ میں تم صاف ستھری رہو تاکہ موکل کو آسانی ہو۔ کھانا پکانے کی ہدایت یوں کی ہے کہ اگر اس طرح کام نہ چلا تو شاید ڈپٹی صاحب کی غذا میں کچھ ملانے پڑے اگر تم خود پکاؤ گی تو چٹنا ہوا نمک یا شکر با آسانی ملا سکو گی اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوگی۔ تم تو بڑی واہیات ہو۔ تم نے تو میرا دماغ چاٹ لیا۔ اگر یہی حالت رہی تو عمل کے ختم ہونے کے قبل ہی میرا خاتمہ ہو جائے گا"

"اے خدا نہ کرے آپا نصیب دشمناں" کہتی ہوئی نئی امیدیں اور ذمہ داریوں کا بوجھ لئے ہوئے عذرا کچھ ہنستی ہوئی کچھ گھبرائی ہوئی رخصت ہوئی ——

عذرا کے سر سے باپ کا سایہ بچپن ہی میں اٹھ چکا تھا۔ دادا کو ابا جان کہتی تھی۔ دادا ہی نے پرورش تعلیم و تربیت کی اور اس طرح کی جیسی کہ سو برس پہلے کے بچوں کی ہوا کرتی تھی۔ شوہر لباس میں، گفتار میں، رہائش میں طرز جدید کے دلدادہ۔ بیوی ان سے ایک صدی پیچھے۔ دونوں میں بعد المشرقین بھلا زندگی کیسے خوشگوار ہوتی۔ پھر اس پر ضد اور ہٹ دونوں میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی۔ ڈپٹی صاحب کی بڑی تمنا تھی کہ بیوی نئے طرز کے لباس میں ملبوس نظر آئے۔ لیکن تربیت کا اثر اور ابا جان (دادا) کا خوف عذرا اپنی پرانی وضع کو اب تک نباہ رہی تھی۔ شوہر کی تمناؤں کا، آرزوؤں کا خون اس کے لئے نرگس سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا تھا۔ ابا جان کو ناراض کر دینا البتہ ایسا گناہ عظیم تھا۔ جو اس کے نزدیک خدا کے حضور میں قابل معافی نہیں ہو سکتا تھا قیمتی لباس ہفتہ میں ایک بار بدل لیا اس بات سے شاید اس کے دل کو تسکین رہتی تھی۔ کہ لباس خواہ کتنا میلا کیوں نہ ہو۔ ہے تو ریشمی اور قابل قدر۔ اس پر طرہ، سردی کے موسم میں وہ کمخواب کی روئی کی صدری جو نہ دھل سکے نہ صاف ہو سکے۔ بدستور شبانہ روز ہمدم و دمساز خواہ وہ کتنی ہی میلی ہو جائے۔ گرگٹ کی طرح کتنے ہی رنگ بدل ڈالے ہے تو کمخواب کی چولی کا نشان اس پر گلے کی بیل کی تہ اس پر کہیں جانے کے وقت اور کپڑے بدل لئے

مردمہری بھی مل گئی تھی۔ ڈپٹی صاحب کو غرور تھا شوہر ہونے کا خدائے مجازی ہونے کا، اپنی اعلیٰ ملازمت کا دولت کا عذرا کو ناز تھا اپنے حسن پر، مذہبی تعلیم پر اپنے حافظ قرآنی ہونے پر۔ دونوں کی ضد جہالت کی ضد تھی اور اس وقت مجھے سابقہ پڑا تھا۔ ہٹ دھرمی سے ضد سے پڑھی لکھی جہالت سے۔ صورت حالات میرے لئے سخت تھی اور بہت سخت تین شبانہ روز کی کاوش کا نتیجہ یہ الفاظ تھے جو میں نے عذرا سے کہے۔ "عذرا میں تمہارے لئے کچھ بھی رائے قائم نہ کر سکی"

بیچاری عذرا بڑی امیدوں سے آئی تھی۔ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا بہت ہوتا ہے یخ بستہ انسان جگنو کو شرارہ سمجھنے لگتا ہے اور اسی امید موہوم سے اپنے قلب حزیں کو تسکین دے لیتا ہے —— مگر —— جب یہ اس کی موہوم سی امید بھی اس کا ساتھ چھوڑ دے اور جب اس پر جگنو کی اصلیت آشکار ہو جائے اف! قلب مضطر کے لئے اس سے بڑا وقت کوئی بھی نہ ہوگا۔

عذرا کی مایوسی کی انتہا نہ تھی ——

"آپا تم میرے لئے حب کا عمل کسی عامل سے کرا دو" اس نے انتہائی بے تکے پن سے بہ منت مجھ سے کہا "ہاں حب کا عمل" میں نے نہایت اطمینان کے ساتھ اس تبرک سے لفظی فقرے کی تکرار کی۔

اب میرا دماغ روشن تھا میری نظروں میں ہر چیز صاف تھی "حب کا عمل واقعی یہ عمل مجھے بہت اچھا آتا ہے" میں نے عذرا کو اطمینان دلایا "لیکن عذرا۔ یہ ہے بہت مشکل کام تمہیں میرے کہنے پر حرف بحرف عمل اور میری ہدایتوں پر قدم بقدم چلنا پڑیگا۔ تم سے یہ سب ہوتا نظر نہیں آتا۔"

"آپا تم گھن کی طرح مجھے لگ چکا ہے۔ زندگی بے کیف ہو گئی۔ دنیا اور دنیا کی کوئی چیز بھی اچھی نہیں لگتی ہیں بدنصیب اس وقت بھی آپ کا کہنا نہ سنوں گی تو پھر کب سنوں گی" عذرا نے بسورتے ہوئے کہا۔

عذرا اپنی بربادیوں کی داستان رو رو کر سنا رہی تھی اور میرا دماغ اس کے لئے شاہراہ عمل یا اسکیم بنانے میں مصروف تھا۔ بار بار وہ میرے خیالات کے دلچسپ سلسلہ کو اپنی باتوں سے توڑ توڑ دیتی تھی جس سے میرے دماغ پر بڑا بار پڑ رہا تھا کیونکہ اس کی اس وقت کی باتوں میں سوائے حماقتوں کے دھرا ہی کیا تھا۔ میں نے مناسب سمجھا کہ اسے اس وقت رخصت کر دوں۔

"عذرا دیکھو تمہیں میرے پاس آئے خاصی دیر ہو گئی ڈپٹی صاحب کے کچہری سے آنے کا وقت ہے۔ اب سدھارو جا کر ان کے ناشتے چاء وغیرہ کا انتظام کرو" میں نے اس سے کہا۔

"اے آپا میں کیا خاک ان کے لئے کروں "وہ" میری صورت دیکھنے کے تو روادار نہیں۔ گھر میں قدم رکھتے ہی سرکاری کاموں کی جھنجھلاہٹ۔ سارے دن کی تھکن کا غصہ اتارنے کو غریب بیوی کی جان ہے کوئی بات خاطر ہی میں نہیں لاتے میری تو ہر ایک بات "انہیں" بری لگتی ہے میرے لباس سے نفرت، بات بات پر نکتہ چینی۔ گھر کاٹنے کو دوڑتا ہے بچے برے لگتے ہیں نوکر تو ان کی صورت سے ڈرتے ہیں، کبھی ہنسنا بولنا تو جانتے ہی نہیں۔ بس صُمٌّ بُکمٌ کا مضمون ہے۔

لیکن یہ ضدی اس وقت بھی ساتھ نہیں چھوڑتی۔ بہت
کیا اوپر سے ایک قمیص کرتہ اور پہن لیا۔ ابا جان کے خوف
سے نہ تو وہ ساڑی پہن سکتی تھی نہ سویٹر۔ ڈپٹی صاحب کو ان
باتوں سے سخت نفرت تھی۔ قصور وار وہ بھی ہیں۔ حکومت
کے زعم میں بیوی کو وہ راہ راست پر نہ لا سکے۔ بیوی کی اصلاح
کرنے کے متمنی ضرور تھے لیکن سختی کے ساتھ نفرت و حقارت
کے ساتھ۔ عذرا تو ایک حد تک بری الذمہ تھی۔ کیونکہ وہ خوب
سمجھتی تھی کہ شوہر تو بفضل خدا عرصے تک دنیا میں رہیں
گے لیکن ابا جان جو عنقریب اللہ میاں کے پاس جانے
والے ہیں اور عزم سفر بھی کر چکے ہیں کہیں جا کر اس کی شکایت
نہ کر دیں اور کہیں ایسا نہ ہو کہ دوزخیوں کی فہرست میں اس
کا نام درج ہو جائے ـــــ وہ بعد میں جا کر حضور خداوندی
میں صفائی پیش بھی کرتے رہے تو کیا۔ دوزخیوں کے رجسٹر
میں ایک بار نام داخل ہونا ہی انسان کے داخل جہنم ہونے
کو کافی تھا۔ اس کی کوئی تلافی ممکن تھی نہ اپیل۔

چونکہ یہ معاملہ بے حد لطیف تھا اور انتہائی دلچسپ بستر
پر لیٹی تو خود بخود ہنسی آنے لگی۔ رات کے دو بجے تھے خیالات
کا سلسلہ کہیں سے کہیں پہنچ رہا تھا۔ عذرا کی دکھتی ہوئی رگ
میں نے پہچان لی تھی۔ مذہبی پہلو کے سوا اس کی اصلاح
کا اور کوئی طریقہ ممکن ہی نہیں تھا۔ لا محالہ عذرا کی اصلاح
مذہبی پہلو سے کرنی مقصود تھی بس! یہی تھی میرے حسب
منشا عمل کی اصلیت۔ میرے اللہ! یہ سب کیسے ہوگا؟
کیا یہ ضدی لڑکی میرے کہنے چلے گی؟ رب العزت تو ہی
میری مدد کرنا ـــــ

اگلے روز میں نے عذرا کی بالکل خبر نہ لی۔ دوسرے روز
نزہت، ثروت اور شکیلہ کو لے کر میں اس سے ملنے
گئی۔ وہ کچھ سراسیمہ اور افسردہ تھی۔ اور میری تمام ہدایات پر
نہایت سختی سے عمل کر رہی تھی۔ اس نے اپنی کاوشوں کی روداد
یوں بیان کی کہ شب گذشتہ جب وہ ڈپٹی صاحب کا بستر
ٹھیک کرنے لگی تو جلالت مآب ڈپٹی صاحب کو غصہ آگیا انہوں
نے اس کے ہاتھ سے چادر چھین کر خود بچھالی۔ صبح کے ناشتے
کے بعد جب عذرا نے ان کا پائپ کمرہ خواب سے لا کر دیا تو
اسے انہوں نے لے کر زمین پر پھینک دیا۔ صداقت کے
طور پر عذرا نے پائپ کے ٹکڑوں کی طرف اشارہ کیا جو کونے
میں جا بجا منتشر تھے۔

ناشتہ کے بعد دوپہر کے کھانے کی مہم یوں سر ہوئی
کہ جب عذرا نے قورمے کی ڈش یہ کہہ کر پیش کی کہ یہ میں نے
خاص طور پر آپ کے لئے پکایا ہے تو ڈپٹی صاحب نے
جوش میں آکر اسے اس زور سے ہٹایا کہ گرم قورمہ خود ان کے
اوپر چھلک پڑا دل بھی جلا اور جسم بھی۔ کپڑے تو بھلا خراب ہونے
ہی تھے۔ بکتے جھکتے آفس میں چلے گئے۔

عذرا کے پاس آنے کے قبل نزہت، ثروت اور
شکیلہ کو صورت حالات سمجھا کر خاموش رہنے کی تاکید کر دی
تھی۔ لیکن بچیوں کی ان شرارت کی پتلیوں میں کہاں۔ ہنستے
ہنستے دیوانی ہوئی جا رہی تھیں اور میرا دل الجھ رہا تھا۔ آئی
عقل گم ہوئی جا رہی تھی۔ جب کچھ سمجھ میں نہ آیا تو عذرا کو ثابت
قدم رہنے کی تاکید کر کے میں لوٹ آئی۔

مجھے اب عذرا سے ہمدردی پیدا ہو گئی تھی ہر روز
اس کے حالات دریافت کر لینا اور [illegible] مناسب ہدایات

دینا اب میرا محبوب ترین مشغلہ تھا۔ وہ میرے احکامات پر
نہایت سختی سے عمل کر رہی تھی۔ تمام کام ڈپٹی صاحب کے
اس نے اپنے ذمے لے لئے تھے حتیٰ کہ ان کے کپڑے تہ
کر کے رکھنا، دھلے کپڑے الماری سے نکال کر رکھنا، جوتا
صاف کرنا ایسے بیسیوں کام تھے جن میں وہ تمام دن
مصروف رہتی۔ نتیجہ صاف تھا پہلے روز جو تنفر ڈپٹی صاحب
کے مزاج میں تھی دوسرے روز نہ رہی اور تیسرے چوتھے
روز تو انہیں یقین ہوگیا کہ بیوی جو کچھ کر رہی ہے خدمت
کرنے کی نیت سے کر رہی ہے چڑانے یا دل جلانے کے
لئے نہیں۔

اس احساس کے ساتھ جوں جوں ان کی وحشت
کم ہوتی گئی، صلح کی کڑی منزلیں طے ہوتی گئیں۔ عذرا اب
خوش تھی بندگی کرنے سے کہتے ہیں خدا ملتا ہے یہ میں نے
اس وقت اپنی آنکھ سے دیکھ لیا۔ لیکن بھولی عذرا اب
تک یہ سمجھے ہوئے تھی کہ یہ میرے خاص حب کے عمل
کا اثر ہے۔

میں مطمئن تھی۔ عذرا کے معاملات بتدریج سلجھ رہے
تھے یا یوں کہو کہ قریب قریب سلجھ چکے تھے۔ صرف ضرورت
تھی استحکام کی۔ میرا والد صاحب کے پاس کا زمانہ اختتام
پر تھا۔ مجھے اب گھر واپس جانا تھا اپنی سہیلیوں کو لے کر
عذرا سے رخصت ہونے جو گئی۔ تو وہاں تو معاملہ ہی دگرگوں
پایا عذرا رو رہی تھی۔ اس کی آنکھیں روتے روتے سوج گئی تھیں
سارا چہرہ چقندر کی طرح سرخ ہو رہا تھا مجھے جو دیکھا تو اور
بھی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ کیونکہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ
جوش گریہ اگر خفیف ہو تو محبت و ہمدردی آنسوؤں کو جذب
کر لیتی ہے۔ لیکن جب سیلاب گریہ زوروں پر ہو تو محبت
کا ذرا سا سہارا اس طوفان کو اور بھی تند و تیز کر دیتا ہے۔

عذرا آنسوؤں کے تلاطم میں بہی جا رہی تھی ہم اس
اضطراب کا سبب دریافت کرنے کے لئے مضطرب تھے لیکن
کثرت گریہ نے اس کی قوت گفتار سلب کر لی تھی۔

"تف ہے تمہارے اوپر اور تمہارے رونے پر" میں
نے تھوڑے انتظار کے بعد ترشی سے کہا۔

"میرا عقیدہ ہے کہ جہاں آنسو گرے اور اپنے ساتھ
مصیبتوں کا پہاڑ لائے۔ آنسو نحوستوں کا پیش خیمہ ہیں۔
نیستی کا پیغام ہیں۔ جو لوگ کہ ذرا سی تکلیف سے گھبرا کر رونے
بیٹھ جاتے ہیں ان کو سوچنا چاہئے کہ اس طرح دماغ کو رو رو کر
خراب کرنے کے بجائے اگر یہی دماغی قوت غور کرنے۔ اپنی
تکالیف کا چارہ کار اور نجات کا راستہ تلاش کرنے میں صرف
کی جائے تو مصیبت کے دور ہونے کا امکان بھی ہے۔ گریہ
وزاری سے کبھی بھی کچھ حاصل نہیں ہوتا ہنسنے والے کا ساتھ
سب دیتے ہیں۔ رونے والے کے ساتھ کوئی نہیں روتا۔"

میں اس کو اس بے ڈھنگے پن سے روتا دیکھ کر بجائے
متاثر ہونے کے بہت برافروختہ ہوئی۔ دراصل اس وقت
مجھے غصہ آ بھی گیا تھا میری ترش کلامی سے عذرا کو بہت
فائدہ ہوا اس کے آنسو رک گئے۔ سنبھل کر بیٹھ گئی۔ دوپٹہ
سے منہ صاف کر کے کہنے لگی۔

"آپا جب سے آپ نے دعا شروع کی" ان کی مہربانیاں
روز بروز بڑھتی گئیں۔ سوائے پہلے دو چار روز کے۔ انہوں
نے اس کے بعد تو کبھی غصے سے بات بھی نہیں کی اتنا تو

دوسری چیز ہے۔ اب تو یہاں تک خوش تھے کہ جب بازار
جاتے کوئی چیز میرے لئے ضرور خرید لاتے کل ایک اونچی
ایڑی کا جوتا اٹھا لائے۔ بھلا یہ میرے کس کام کا۔ ابا جان
کو اگر ذرا بھی اس کی خبر ہو گئی تو میری "خسر الدنیا والآخرہ" کی
مثل ہو جائیگی۔ اور آج تو کم بخت ساڑی میرے لئے مصیبتوں
کا پیش خیمہ بن کر آگئی" یہ کہتے ہوئے اس نے ایک طرف کو
اشارہ کیا میں نے دیکھا کہ ایک نہایت خوبصورت ساڑی
بے ترتیبی سے قالین پر پڑی ہے۔

"ساڑی اور جوتے کا تحفہ واقعی ہے بھی یہ رونے
کی بات" میں نے طنز کہا۔ نہیں آپا پہلے آپ سن تو لیں
عذرا نے نہایت پست لہجہ میں بولنا شروع کیا "جب وہ ساڑی
لائے تو مجھ سے اس کے پہننے پر بہت اصرار کیا میں نے
صرف اتنا کہا کہ بھلا میں اسے کیسے پہنوں۔ ابا جان خفا ہو
گے بس آپا اتنا سننا تھا کہ آپے سے باہر ہو گئے چھوٹتے
ہی کہنے لگے کہ ابا جان ہی سے تم نے کیوں نہ شادی کر لی"
عذرا نے رونے کی تیاری کرتے ہوئے کہا۔ اس کے ہونٹ
کانپ رہے تھے۔

"یہ ایسی کونسی رونے کی بات تھی جس پر تم نے آنسوؤں
کے دریا بہا دئے اس سے تو انشاان کی حماقتوں کا ثبوت
ملتا ہے۔ تم نہایت تحمل سے جواب یہ دیتیں کہ آپکی نیک
صلاح کا شکریہ۔ لیکن اب تو یہ صلاح بعد از وقت ہے۔
شادی تو آپ سے ہو چکی ہے" میں نے ہمدردی کے لہجہ
میں سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے کہا تم نے تو بیڑا نک
میں دم کر دیا ذرا آئینہ لے کر تو دیکھو کتنی حسین معلوم ہو رہی
ہو بس اب اٹھو منہ ہاتھ دھو کر انسان کی سی صورت بناؤ

ورنہ میں اب تم سے ہرگز بات نہ کروں گی۔

عذرا کو حمام خانہ میں بھیج کر میں اس کی نئی ساڑی
کی طرف متوجہ ہوئی۔ اس میں سے بلاؤز کا ٹکڑا نکال کر قطع
کیا۔ لو اب بہت ہنس مکھیں۔ اس کو تینوں مل کر ذرا جلدی سے
سی تو ڈالو" میں نے کہا۔ شکیلہ کو سلائی کا بہت شوق تھا
اپنی آپا کو موٹر پر بھیج کر قاسم سیٹھ کی دوکان سے ساڑی
کا ہم رنگ سویٹر منگایا۔ بلاؤز سل کر تیار تھا۔ عذرا منہ دھو کر
آگئی تھی۔ اس پر ایک عجیب سکوت طاری تھا۔ سکوت ایک
معنی خیز سکوت!!

ہم نے اس کے بال بطرز جدید سنوارے۔ ساڑی
اور بلاؤز کے ساتھ اونچی ایڑی کا جوتا بھی اسے پہنا دیا۔ اب
وہ فاصلہ جسے ڈپٹی صاحب "بعد المشرقین" کہا کرتے تھے ہم
نے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹے میں عذرا سے طے کر دیا۔ ہم چاروں
بلائے آسمانی بن کر اس پر چھا گئے تھے۔ "رب العرش کی حب
کا عمل اسی طرح کیا جاتا ہے؟ اس عمل کے مؤکل ایسے تو
نہیں ہوتے۔

نئے لباس کے ساتھ عذرا کے خیالات بھی بدل چکے
تھے۔ اس کا غرور بھی ٹوٹ چکا تھا۔ اس کی ضد میں نے
فتح پائی تھی۔ یہ فتح میری نہ تھی بلکہ اس احترام اور محبت کی
فتح تھی جو عذرا کے دل میں میری طرف سے قائم ہو چکی تھی
عذرا کی اصلاح کرنا بظاہر پتھر کو جونک لگانا تھا۔ اس
کی خشک اور مغموم طبیعت میں تبدیلی پیدا کرنا سنگلاخ زمین
میں گل کاری کرنا تھا۔ مگر محبت، پاک اور بے لوث محبت اور
خلوص سے پتھر موم ہو چکا تھا۔ بنجر زمین میں سدا بہار پھولوں
کے پودے لہلہا رہے تھے۔ کانٹوں ...

پہ غور کیا ہوتا۔

عذرا نیا جوڑا پہنے آسمانی جو بنی بالکل پاکٹ ویسے
جس بیٹھی تھی ڈپٹی صاحب کے کچہری سے آنے کا وقت نزدیک
تھا۔ میں اسے الوداع کہنے کو اٹھی۔

"پیاری عذرا میرا عمل کامیابی سے ختم ہو چکا۔ خدا تمہیں
نت نئی خوشیاں دیکھنی نصیب کرے" عذرا سے گلے ملتے
ہوئے میں نے کہنا شروع کیا۔ "اور ہاں عذرا یہ روتی ہوئی عذرا کی
تم مجھے دے دو تمہاری حماقتوں کی اس یادگار کو بطور تبرک
میں اپنے پاس رکھوں گی۔ تمہاری بدولت میرا یہ سفر نہایت
کامیاب رہا بڑی دلچسپی سے وقت گذرا۔ اس کے عوض میں
یہ سوئٹر تمہاری نذر کرتی ہوں" میں نے اسے سوئٹر پہناتے
ہوئے کہا۔

عذرا اب بھی خاموش تھی۔ وہ اس طرح سر جھکائے
کھڑی تھی جیسے کوئی مجرم اقبال جرم کے بعد جج کے سامنے
کھڑا ہو۔ اس کو اپنے جرم کا احساس پورے طور ہو چکا تھا
یا شاید اب بھی وہ منتظر تھی کہ میں اسے کوئی نیا عمل سکھاؤں گی
اس واقعہ کے چار سال بعد عذرا سے پھر ملاقات
ہوئی۔ وہ خوش تھی اور بہت خوش۔ میرا "حب" کا عمل بہت
ہی پرتاثیر تھا۔ اس نے اور ساتھ ہی اس کے شوہر نے
اسے سیکھ لیا تھا۔ یہ راز بھی ان کی سمجھ میں آگیا تھا کہ ان
باتوں کسی کو اپنا کرنے یا کسی کا ہو رہے۔ بغیر اس کے نہ تو دنیا
میں اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے نہ مسرت۔

خیر گذری کہ عمل کرتے وقت میں نے عذرا سے
وعدہ لے لیا تھا۔ کہ میرے عامل ہونے کا ذکر کسی سے
نہ کرے۔ خدا کا شکر ہے اور نہ آج مجھے حب کا عمل کرنے
سے کسی سے بات تک کرنے کی فرصت نہ ملتی۔
واقعی بڑی خیر گذری!!!

(مسبہ رس)

گلہائے عقیدت

از:- محترمہ نجمہ تصدق ایم اے، بی ٹی

(۱) اخلاق بلند میں ہمالہ ہیں حضور
معراج کی واردات سے ظاہر ہے
تاریکیٔ دہر میں اجالا ہیں حضور
ہر چند نشیب میں ہیں بالا ہیں حضور

(۲) انسانوں کا رہنما کوئی ایسا نہ تھا
ہر حال میں انسان ہی تھا انسان
دل کش اور دلربا کوئی ایسا نہ تھا
مزدور کا پیشوا کوئی ایسا نہ تھا

(۳) اعمال کی زینت سے سنورنے کو کہا
ہر چند شہنشاہ دو عالم تھے حضور
مایوس و قنوط کو ابھرنے کو کہا
خود ڈرتے رہے اوروں کو ڈرنے کو کہا

(۴) بنیاد مساوات کی انسانوں میں
یہ سیل رواں جب آ گرا گنگا میں
اب تک جاری ہے تیرے دیوانوں میں
طور آ گئے میزباں کے مہمانوں میں

(۵) کی علم کی بے پناہ پشتیبانی
کھوئی ہوئی دولت ہے مسلماں کی علم
اکثر یہ دعا کی کہ بڑھے حیرانی
چین سے بھی لے خرید لے جا پانی

(۶) پیغام تیرا بنام عقل آیا ہے
القاب میں بے عقل کچھ ایسے کھوئے
ایمان یہاں جس نے لقب پایا ہے
جو صاحب عقل ہے وہ گھبرایا ہے

(۷) عورت پہ تیرے کرم کا وہ سایہ ہے
ہر بات میں وہ مرد کی ہم[illegible]

عورت کو حیا کی تو نے دے کر تعلیم
جو نکتہ بتایا ہے بہت بھایا ہے

(۸) رہبانیت پسند آئی نہ تجھے
بندوں پہ خدا کا مدعا کھول دیا
فطرت کے خلاف زیست بھائی نہ تجھے
کیوں دل سے لگائے پھر خدائی نہ تجھے

(۹) دنیا کو ہلا دیا تیری باتوں نے
رحمت نے تیری ہنسا دیا روتوں کو
سوتوں کو جگا دیا تیری باتوں نے
ہنستوں کو رلا دیا تیری باتوں نے

(۱۰) مقصد تخلیق کا بتایا تو نے
مایوسی سے راکھ بن چکا تھا تن پر
انسان کو غفلت سے جگایا تو نے
جھاڑا پھونکا اسے اٹھایا تو نے

(۱۱) شاہی کی بنا اکھیڑ ڈالی تو نے
اللہ غنی ہے اور جو بھی ہے فقیر
خوانچے فقیروں سی بنا لی تو نے
یہ کہہ کر بڑی پھانس نکالی تو نے

(۱۲) ہے چشم جہاں کو جستجو تیری آج
ہر دل میں مساوات کی پیدا ہے تڑپ
فطرت کی وہی ہے تھی جو خو تیری آج
ہوتی ہے تلاش چار سو تیری آج

(۱۳) تعلیم تیری سیاستوں کی جان ہے
یثرب کی شفق افق پہ آتی ہے نظر
شیریں دہنی بلاغتوں کی جاں ہے
سو لی پہ اب جہالتوں کی جاں ہے

(۱۴) دل میں تیرے عشق کی فراوانی ہو
فرسودہ نگاہ میں جہانبانی ہو
ہو دل میں احد زباں پہ احمدؐ احمدؐ
ذروں کو نصیب مہرسامانی ہو

نجات

شعاعِ ہفتم

از:-
سید عبدالرشید صاحب یزدانی جالندھری

(بسلسلہ گزشتہ)

سدھیشوری کی طبیعت میں یہ بڑا بھاری نقص تھا کہ ان کے جذبہ اعتماد کو استقلال حاصل نہ تھا۔ آج انہیں جس پر سولہ آنے بھروسہ ہوتا کل اسی سے بدظن ہو جاتیں شیلجا پر انہیں شروع سے اعتماد تھا۔ لیکن چند ہی روز میں نین تارا نے ان کے کان بھر دیئے۔ انہیں کچھ کا کچھ سمجھا دیا۔ تو انہیں بھی شک ہونے لگا کہ نین تارا ٹھیک ہی کہہ رہی ہے شیل نے ضرور اپنے پاس روپے جمع کر لئے ہیں —— اور یہ اندازہ کرنا بھی ان کے لئے دشوار نہیں ہوا۔ کہ وہ روپے کہاں سے آئے ہیں۔ لیکن وہ یہ بھی جانتی تھیں۔ کہ شوہر اور بال بچوں سمیت شیلجا اس شہر میں علیحدہ گھر لے کر رہنے کی جرأت نہیں کر سکتی

رات کو گریش بابو بیرونی بیٹھک میں بیٹھے آنکھوں پر چشمہ چڑھائے گیس کی روشنی میں، انتہائی محویت کے عالم میں ایک ضروری مقدمے کے کاغذات دیکھ رہے تھے۔ سدھیشوری نے بیٹھک میں داخل ہوتے ہی کام کی بات چھیڑ دی۔ بولیں تم جو یہ کام کاج کرتے اور خون پسینہ ایک کر کے کماتے ہو۔ اس سے تمہیں کیا فائدہ حاصل ہوتا ہے؟ کیا تم سوروں کے گروہ کو کھلانے پلانے ہی کے لئے محنت کر کے مر رہے ہو؟ گریش کے کانوں میں شاید کھانے کا لفظ ہی پہنچ سکا تھا۔ انہوں نے سر اٹھائے بغیر کہہ دیا "نہیں اب زیادہ دیر نہیں۔ یہ چند کاغذ دیکھ لوں۔ تم چلو۔ میں ابھی آتا ہوں"

سدھیشوری نے جھنجلا کر کہا۔ "کھانے کو چلنے کے لئے تم سے کون کہہ رہا ہے جی! میں کہتی ہوں کہ چھوٹی بہو اور رمیش ہمارا گھر کاٹ کر روپے پیسے چرا کر اب گھر سے چل دینے کی فکر میں ہیں۔ میں نے جو اتنے دن ان سے سلوک کیا سب پر خاک پڑ گئی۔ کیا تم نے بھی یہ خبر سنی ہے؟"

گریش بابو نے قدرے ہوش میں آ کر کہا "ہوں سنی کیوں نہیں۔ چھوٹی بہو سے اچھی طرح تیاری کر لینے کے لئے کہو۔ ہاں! ساتھ کون کون جائے گا! منی کو ——"

مقدمہ کے کاغذات پر نظر گڑ جانے کے باعث یہ نا تمام جملہ اسی جگہ رہ گیا۔

سدھیشوری غصے سے بیتاب ہو کر چلا اٹھیں "کیا تم نے میری ایک بات بھی دل لگا کر نہ سننے کی قسم کھالی ہے! میں کیا کہتی ہوں اور تم کیا جواب دیتے ہو۔ میں کہتی ہوں کہ چھوٹی بہو وغیرہ گھر سے چلے جا رہے ہیں"

سدھیشوری کی جھڑکی سے چونک کر گریش بابو نے پوچھا "کہاں جا رہے ہیں؟"

سدھیشوری نے اسی طرح بلند آواز میں جواب دیا "مجھے کیا معلوم کہاں جا رہے ہیں"

"تو پوچھ کر ان کا پتہ لکھ لینا"

غم و غصہ سے سدھیشوری پاگل سی ہو اٹھیں۔ انہوں نے سر پر ہاتھ مار کر کہا "میری قسمت ہی پھوٹی ہے! میں ان کا پتہ لکھوں گی! میں ایسی بدنصیب نہ ہوتی، تو تمہارے پلے کیوں پڑتی! ماں باپ نے ہاتھ پاؤں باندھ کر گنگا میں کیوں نہ ڈبو دیا! اس سے تو وہی اچھا تھا"

یہ کہہ کر وہ رونے لگیں۔ اس بدنصیبی کو یاد کر کے کہ ماں باپ نے انہیں ایک نکمے آدمی کے ہاتھوں سونپ دیا ہے۔ آج تئیس برس بعد ان کے رنج و غم کی انتہا نہ رہی وہ پھر بولیں "پرمیشور کرے اگر آج تمہاری آنکھیں بند ہو جائیں۔ تو میں تو اور نہ ہوگا۔ کسی گھر میں خادمہ بن کر ہی اپنا پیٹ بھر لوں گی —— اور میں خوب جانتی ہوں کہ یہ تو مجھے کرنا ہی پڑے گا —— لیکن میرے منی اور ہری کہاں کھڑے ہوں گے؟"

یہ کہہ کر سدھیشوری خاموش ہو گئیں۔ ان کا رکا ہوا سیلاب گریہ کی دیر کے بعد فرصت پا کر آنکھوں کو نم آلود کرنے لگا۔ ضروری مقدمے کا کاغذات وغیرہ گریش بابو کے دماغ سے غائب ہو گئے۔ بیوی کے اس اچانک گریہ سے گھبرا کر انہوں نے قدرے غضب آلود متین لہجے میں پکارا "ہری"

ہری چرن ملحقہ کمرے میں بیٹھا پڑھ رہا تھا۔ وہ سٹپٹایا اور سہما ہوا سامنے آ کھڑا ہوا۔ گریش نے بڑے زور سے ڈانٹ کر کہا "اگر تو پھر جھگڑا کرے گا۔ تو میں چابک سے تیری کھال ادھیڑ دوں گا! بدمعاش کہیں کا! لکھنے پڑھنے کا تو نام نہیں دن رات کھیلتا اور لڑتا جھگڑتا رہتا ہے۔ منی کہاں ہے؟"

لڑکے باپ کی جھڑکی کا نام تک نہ جانتے تھے ہری نے خوفزدہ ہو کر کہا "میں نہیں جانتا"

"تم سمجھتے ہو کہ میں تمہاری بدذوقی کی خبر نہیں رکھتا کیوں؟ جانتا ہے میری نظر ہر طرف رہتی ہے! تمہیں کون پڑھاتا ہے؟ بلاؤ اسے!"

ہری نے آہستہ سے کہا "ہمارے سکول کے تھرڈ ماسٹر دھیرن بابو صبح پڑھا جاتے ہیں"

گریش بابو نے پوچھا "صبح کیوں؟ رات کو کیوں نہیں پڑھاتے؟ میں ایسا ماسٹر نہیں رکھنا چاہتا۔ کل سے اور آدمی تمہیں پڑھانے آئے گا جا۔ دل لگا کر پڑھ۔ بیوقوف! بدتمیز!!"

ہری چرن خوفزدہ اور ڈرتے ہوئے چہرے سے ایک بار ماں کی طرف دیکھ کر آہستہ آہستہ وہاں سے چل دیا

گریش نے بیوی کی طرف دیکھ کر کہا "دیکھی ہو آج کل کے ماسٹروں کا حال ۱۰ روپے تو بھر پور لیں گے۔ اور کام میں دھوکا کریں گے، فریب دیں گے، رمیش سے کہہ دینا کہ کل ہی یہاں بابو کو جواب دے کر کوئی اور ماسٹر رکھ دے۔ ماسٹر نے سمجھ لیا ہے۔ کہ میری آنکھوں میں خاک جھونک کر بچ جائے گا"

سدھیشوری نے ایک لفظ تک نہیں کہا۔ خاوند کے چہرے پر غضب آلود تیز نظر ڈال کر چپ چاپ چلی گئیں

گریش بابو نے سمجھا کہ انہوں نے اپنا فرض باحسن ادا کر دیا ہے۔ اس لئے خوش ہو کر کچہری کے کاغذات میں غرق ہو گئے

یہ بات تو درست تھی۔ کہ سدھیشوری کو یہ بات معلوم تھی۔ کہ روپیہ دنیا میں سب سے ضروری چیز ہے۔ لیکن اب تک روپے پیسے کی طرف ان کی نظر ہی نہ تھی۔ لالچ در اصل ایک متعدی مرض ہے۔ نین تارا کی صحبت میں رہ کر آہستہ آہستہ

ان کے دل ودماغ میں بھی یہ مرض گھر کرنے لگا۔

سدھیشوری نے یہ سنا تھا کہ آج ہی کھانے وغیرہ سے فارغ ہو کر شیل اس گھر سے جانے والی ہے۔ اس خبر سے سدھیشوری کا سینہ پھٹا جا رہا تھا۔ اور اندر ہی اندر سیلاب گرم اُمنڈتا آ رہا تھا۔ انہوں نے کسی طرح اسے روک کر، بخار کا بہانہ کر کے بستر کا سہارا لے رکھا تھا۔ اتنے میں نین تارا آ کر ان کے پاس بیٹھ گئی۔ سدھیشوری کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر بخار کا اندازہ کر کے، نین تارا نے اضطراب اور گھبراہٹ کا اظہار کیا۔ اور پوچھا: "دیدی! ڈاکٹر کو بلاؤں؟"

سدھیشوری نے دوسری طرف منہ پھیر کر کہا: "نہیں"

نین تارا نے ان کی اس جھنجھلاہٹ کی وجہ محسوس کر کے اس کی ٹھیک دوا استعمال کی تدبر سے خاموش رہ کر آہستہ آہستہ کہا: "دیدی میں سوچتی ہوں بہن! لوگ کس طرح اتنے روپے جمع کر لیتے ہیں! ہمارے محلے کے یدو بابو، گوپال بابو، ہیرن سرکار وغیرہ کوئی بھی تو جیٹھ جی کے برابر نہیں کماتا۔ ان لوگوں کی آمدنی تو جیٹھ جی کی آمدنی سے نصف بھی نہ ہو گی۔ لیکن ان میں کوئی ایسا نہیں۔ جس کی لاکھ روپے سے کم رقم بنک میں جمع ہو۔ ان لوگوں کی عورتوں کے پاس بھی دس بیس ہزار روپے سے کم نقدی نہ ہو گی۔"

سدھیشوری نے اس موضوع کی طرف تدبر سے متوجہ ہو کر کہا: "یہ تم نے کیسے جانا منجھلی بہو؟" نین تارا نے کہا: "تمہارے دیور نے ایک دن بنک کے بڑے صاحب سے پوچھا تھا۔ صاحب ان کے بڑے گہرے دوست ہیں۔ کل گوپال بابو کی گھر والی میری بات پر یقین نہ کرتی تھی، کہتی تھی۔ یہ تم کیا کہتی ہو منجھلی بہو! تمہارے جیٹھانی کے پاس روپے نہیں! خواہ کچھ بھی ہو——"

سدھیشوری بخار کا بہانہ بھول گئیں۔ ایک دم اٹھ بیٹھیں اور چابیوں کا گچھا جس سے نین تارا کے آگے پھینک کر بولیں: "بکس، الماری وغیرہ میرا سب سامان تم سب اپنے ہاتھ سے کھول کر دیکھ لو منجھلی بہو! روزانہ خرچ کے روپوں کے سوا اگر ایک پیسہ بھی کہیں چھپایا ہوا مل جائے تو جو جی میں آئے کہنا۔ جو کچھ کرتی دھرتی ہے سب چھوٹی بہو۔ میں تو کسی بات میں دخل ہی نہ دے سکتی تھی۔ زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکال سکتی تھی۔ اپنے ہی کے پلے پڑی ہوں منجھلی بہو! کہ ایک پیسے کا منہ تک نہ دیکھ سکی۔ اس کی سزا بھی مجھے مل گئی۔ اس وقت چھوٹی بہو تمام سرمایہ لے کر آنکھوں کے سامنے سے چلی جا رہی ہے——اس کا کیا کروں گی؟ تمہیں بتاؤ منجھلی بہو! اگر میرے ہاتھ میں روپیہ پیسہ رہتا تو وہ اس گھر ہی میں رہتا۔ یوں پانی میں تو نہ بہہ جاتا؟"

منجھلی بہو نے تائید میں سر ہلاتے ہوئے کہا: "یہ تو سچ ہے بہن!"

سدھیشوری کا دل پھر شیل کے خلاف بھڑک اٹھا۔ اس وقت وہ بالکل بھول گئیں۔ کہ اب تک خود انہوں نے ہی شیل کو پال پوس کر اتنا بڑا کیا ہے۔ اپنے صندوق کی چابی خود ہی اس کے سپرد کر دی تھی۔ اور خود ہی چھٹی بن کر گرستی کے کام کاج میں اس کی بڑائی قائم کر رکھی تھی۔

انہوں نے کہا: "ایک آدمی محنتی ہے۔ کماتا دھماتا ہے۔ اتنے بڑے خاندان کا خرچ اسی کے سر ہے۔ اس کو کس طرح الزام دوں؟"

نین تارا نے ہاں میں ہاں ملا کر کہا: "یہ تو سب لوگ دیکھ ہی رہے ہیں بہن"

کچھ دیر خاموش رہ کر نین تارا پھر کہنے لگی: "ہمارے گاؤں کا نندستر بڑا محنتی آدمی تھا۔ وہ ایک دفتر میں کلرک تھا۔ اچھی خاصی آمدنی تھی۔ اس نے اپنے چھوٹے بھائی کو آدمی بنانے میں پڑھانے لکھانے میں، اس کے بال بچوں کا بیاہ وغیرہ کرنے میں اپنی تمام کمائی خرچ کر ڈالی۔ اس کی بیوی اگر کبھی کچھ کہتی۔ تو وہ اسے ڈانٹ دیتا"

سدھیشوری قطع کلام کر کے بولیں: "بالکل میرے ایسی حالت تھی"

نین تارا نے سلسلہ کلام جاری رکھا: "اور نہیں تو کیا! نندستر اپنی بیوی کو ڈپٹ کر کہتا تھا—— تمہیں کیا فکر ہے؟ تمہارے لئے میں زیندر (چھوٹے بھائی) کو چھوڑ جاؤں گا۔ جس طرح میں نے اسے لکھا پڑھا کر آدمی بنایا ہے۔ وکالت پاس کروائی ہے۔ اسی طرح بڑھاپے میں وہ ہماری مدد کرے گا تم اسے اپنا ہی لڑکا سمجھو—— لیکن بہن! ایسا کلجگ آ گیا ہے۔ کہ جب اسی نندستر کی آنکھیں خراب ہو گئیں، نوکری جاتی رہی تو زیندر وکیل نے، سگے بھائی نے بڑے بھائی کے تمام احسانات کو فراموش کر دیا۔ اسی بھائی کو سود پر روپے قرض دے کر آخر سود اور اصل ملا کر قرض وصول کرنے کے لئے۔ موروثی مکان میں بڑے بھائی کے حصہ کو نیلام پر چڑھا کر، بولی دے کر خود ہی خرید لیا! اب یہ حال ہے۔ کہ نندستر بھیک مانگ کر پیٹ پالتا ہے۔ اور رو رو کر کہتا ہے۔ کہ اس وقت بیوی کی بات نہ ماننے کی سزا آج مجھے یہ دن دیکھنا پڑا! اگر چچیرا بھائی ہوتا۔ تو بھی ایک بات تھی یہ تو حقیقی بھائی کا سلوک ہے۔

سدھیشوری نے دل ہی دل میں لرز کر کہا: "کیا کہتی ہو منجھلی بہو! کیا واقعی اس نے بھائی کے ساتھ ایسا سلوک کیا؟"

نین تارا نے جواب دیا: "میں جھوٹ تھوڑی کہہ رہی ہوں بہن! اس بات کو گاؤں بھر کے لوگ جانتے ہیں"

سدھیشوری خاموش ہو رہیں۔ کچھ دیر پہلے تک ان کے دل میں رہ رہ کر یہ بات آتی تھی۔ کہ شیل کو بلا کر اس کی روانگی روک دیں—— یہاں تک کہ وہ یہ بھی سوچ رہی تھیں۔ کہ کس طریق سے شیل وغیرہ کی روانگی میں رکاوٹ ڈالی جا سکتی ہے۔ لیکن نندستر کی داستان الم سنتے ہی ان کا دل ایک دم بدل گیا۔ اب شیل کو روکنے یا اس کے جانے میں رکاوٹ ڈالنے کی انہیں ذرہ بھر خواہش نہ رہی

گریش بابو کچہری جانے کی تیاری کے لئے اٹھنے کی سوچ رہے تھے۔ کہ رمیش نے آ کر کہا: "میں نے سوچا ہے کہ گاؤں کے پرانے گھر میں ہی جا کر رہوں"

"کیوں؟" گریش نے پوچھا

"غیر آباد ہونے کی وجہ سے مکان خستہ ہو کر گر پڑے گا۔ اور زمین، تالاب وغیرہ بھی خراب ہو جائیں گے۔ میں یہاں بے کار بیٹھا ہوں۔ اس لئے یہی سوچا ہے۔"

"اچھی بات ہے، اچھی بات ہے!" کہہ کر خوش ہو کر گریش نے اجازت دے دی

چھوٹے بھائی کی اس درخواست میں گھر چھٹنے کا کتنا غم، کتنا سوز و درد چھپا ہوا تھا، بیچارے گریش بابو کو اس کی ذرا بھی خبر نہ تھی۔

گریش بابو کے کچہری چلے جانے کے بعد شیل نے بڑی جیٹھانی کی کوٹھری کے دروازے پر آکر چوکھٹ ہی سے انہیں ماتھا ٹیک کر پرنام کیا۔ اور معمولی سا صندوق ہمراہ لے کر دونوں لڑکوں کے ساتھ گھر سے رخصت ہو گئی۔ سدھ سندری چپ چاپ بستر پر لیٹی رہیں نین تارا دوسرے کی کوٹھری کی کھڑکی کھول کر کھڑی یہ سب کچھ دیکھتی رہی

(باقی)

دستکاری کے دو لاجواب تحفے

مرتبہ محترمہ امۃ اللہ قریشی سابق ہیڈ مسٹریس سر سکندر گرلز انڈسٹریل سکول

ہندوستانی کشیدہ کاری اگر بہنیں اور ان کی ہونہار بچیاں گھر پر بغیر کسی امداد کے فن کشیدہ میں کمال حاصل کر کے وقت کی ضرورت کے مطابق اپنے سلیقہ میں ایک ضروری اضافہ کرنا چاہتی ہیں۔ تو آج ہی محترمہ امۃ اللہ صاحبہ سابق ہیڈ مسٹریس سر سکندر گرلز انڈسٹریل سکول کی مرتبہ کتاب ہندوستانی کشیدہ کاری منگوائیں۔ اس میں تمام ابتدائی ہدایات فن سے متعلقہ مختلف ٹانکے معہ نام و اشکال۔ کشیدہ کے مختلف کام مثلاً شیڈ ورک سلمہ و شیشہ ائل جالی ورک ورک وغیرہ بنانے کے جدید مختلف طریقے اتنے آسان اور عام فہم زبان میں دیئے گئے ہیں۔ کہ ایک معمولی پڑھی لکھی لڑکی بھی آسانی سے سمجھ سکتی ہے۔ اس کے علاوہ مختلف قسم کے لباسوں کے لئے ایمبرائڈری کے بہترین ڈیزائن۔ ساڑھیوں کے کناروں کی بیلیں ٹرے کلاتھ۔ منی بیگ۔ کشن ٹی کوزی۔ ڈریسنگ ٹیبل غرضیکہ کوئی ایسی چیز نہ ہوگی جس کے لئے کوئی دلکش اور خوبصورت ڈیزائن نہ دیا گیا ہو۔ ان تمام چھوٹے بڑے ڈیزائنوں کے ہمراہ رنگ آمیزی اور کاڑھنے کی ہدایات درج ہیں۔ قیمت عہ

اُونی دستکاری محترمہ امۃ اللہ صاحبہ کی یہ کتاب اپنی قسم کی ایک ایسی مفید اور قابل قدر کتاب ہے جس کی بہنیں بہت مدت سے متلاشی تھیں۔ اور جو اپنی مقبولیت کی وجہ سے ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو رہی ہے۔ ابتدائی ہدایات اشیاء کو بننے کے مختلف طریقے اونی اشیاء کو دھونے اور خشک کرنے کی مختلف ترکیبیں موجودہ فیشن کے بڑے بڑے خوبصورت۔ مختلف قسم کے متعدد زنانہ و مردانہ بچوں کے لباس مختلف قسم کی خوبصورت بنیان بننے کی مفصل ہدایات خاکوں کے ہمراہ اتنی آسانی سے بتلائی گئی ہیں۔ کہ ایک معمولی لکھی پڑھی لڑکی بھی آسانی سے سمجھ سکتی ہے قیمت ایک روپیہ چار آنہ علاوہ محصول ڈاک

ملنے ——— کا ——— پتہ

دی انڈین نیڈل آرٹ اینڈ انڈسٹری ہاؤس الہ یار سٹریٹ براندرتھ روڈ لاہور

نغماتِ ٹیگور

از:- **خورشید حسین صاحب بی۔ اے۔ ایل ایل بی امرتسر**

خدائے حسن! جب انہوں نے دیوانگی مسرت میں تیرا چہرہ داغدار کرنے کے لئے خاک اڑائی تو میرا دل افسردہ ہو گیا۔ میں نے تجھے پکار کر کہا۔ "اپنا قہر نازل کر کے انہیں سزا دے"

رات کی سرمستیوں سے سرخ شدہ آنکھوں سے روشنیٔ صبح کمرائی کنول کے سفید پھولوں نے ان کے آتشیں سانسوں کا استقبال کیا مقدس تاریکی کی گہرائیوں میں سے ستاروں نے ان کی خوش فعلیوں کو تاکا جنہوں نے تیرا چہرہ داغدار کرنے کی خاطر خاک اڑائی تھی۔

تیری مسند عدل گلستانوں۔ طائروں کے بہاریں نغمات اور دریاؤں کے سایہ دار کناروں میں ہے جہاں لہریں بحر و شجر کا جواب اپنی مرمریں آوازیں دیتی ہیں

میرے محبوب اوہ اپنے جذبات کی سفاکیوں کا شکار بنے تھے۔

اپنی خواہشات کی زیبائش کے لئے وہ تیرے زرو جواہر چھیننے کی خاطر تاریکی میں ٹٹول رہے تھے

جب انہوں نے تجھے ایذا پہنچا کر درد و کرب میں مبتلا کیا۔ تو میرا دل تڑپ اٹھا۔ اور میں نے چلا کر کہا! میرے محبوب اپنی تلوار نے کر ان سے انصاف کر"

آہ! لیکن تیرا انصاف محو انتظار تھا

ان کی بے راہ روی پر اشک مادر ہے اور عاشق کی لازوال عقیدت نے ان کے بغاوت آمیز نشتر اپنے ہی زخموں میں چھپا لئے۔ الفت بے خواب کے درد خاموش معصومیت حسین کی شگفتگی رخسار کسی بے کس کے شبانہ آنسوؤں اور عفو کے زرد لوز صباحی میں تیرا فیصلہ پنہاں تھا

قہار! وہ رات کی سنسان خاموشیوں میں اپنی طمع نفسانی کے زیر اثر تیرے ذخیرہ پر ڈاکہ زنی کی خاطر دروازہ پر چڑھ گئے

لیکن مال غنیمت کا بوجھ ان کے لئے بہت بھاری اور ناقابل برداشت ہو گیا

اس پر میں نے گھبرا کر کہا "انہیں معاف کر دے خداوندا!

تیری جھڑکیں طوفان کی مانند جوش پر آگئیں۔ انہیں زمین پر گراتے ہوئے سرقہ کردہ اشیاء گرد و غبار میں ملا دیا تیرا عفو بجلی کی کڑک۔ بارش خون اور سرخیٔ شفق میں پوشیدہ تھا۔

(ترجمہ) "ٹیگور"

ایک خط

نفسیاتی مطالعہ کی روشنی میں

از:- محترمہ سیدہ انیس زہرا (گجرات)

میری اچھی ریحانہ

تمہارا محبت بھرا خط ملا۔ لیکن میں شکریے کے بجائے شکایت کرنا زیادہ پسند کروں گی۔ اس لئے کہ اتنی مدت تک آخر تم خاموش کیوں رہی؟ اچھا اس جرم کی سزا تم خود ہی تجویز کر بھیجو۔ سنا؟

میری طرف سے اگر خط لکھنے میں دیر ہو جائے۔ تو اس کی وجہ سمجھ بھی آسکتی ہے۔ کیونکہ میں ملازم ہوں۔ میں اپنے وقت اور اپنے ضمیر کو بیچ چکی ہوں۔ مجھے ان پر کوئی اختیار نہیں۔ لیکن میری خوش قسمت ریحانہ، میری سہیلی، تم ابھی تک ایک خوبصورت اور آزاد پرندے کی طرح آزاد ہو ——— آزاد اور مسرور ——— زندگی کی شاداب ٹہنیوں میں بیٹھی ہوئی مستانہ وار چہچہا رہی ہو۔ گیت گا رہی ہو۔ جوانی اور زندگی کے گیت ——— میری خوش قسمت ریحانہ!

ریحانہ تم نے مجھے خوش قسمت لکھا ہے۔ کہ میں دو ڈھائی سو روپیہ ماہوار کماتی ہوں۔ لیڈی ڈاکٹر ہوں۔ اعلیٰ سوسائٹی میں میری عزت ہے۔ رسوخ ہے۔ مگر میں تمہیں خوش قسمت سمجھتی ہوں۔ پڑھی لکھی ہو۔ اور بے فکری سے گھر میں رہتی ہو ——— بے فکری سے اپنے اصول اور اپنے نظریے کے مطابق اپنے گھر میں رہنے کو میں دو ڈھائی سو روپیہ ماہوار سے زیادہ رفیع سمجھتی ہوں۔ میری بھولی ریحانہ ہر چیز جو چمکتی ہے سونا نہیں ہوتی۔ یہ سرسراتی ہوئی ساڑھیوں میں لپٹی ہوئی آزادانہ و بیباکانہ قہقہے لگاتی ہوئی لیڈی ڈاکٹر نہیں بظاہر ان کی زندگی بڑی قابل رشک معلوم ہوتی ہے۔ کبھی میں بھی ایسا ہی محسوس کرتی تھی لیکن دیکھنے والوں کی نظر ریشمی ساڑھیوں کی سلوٹوں میں ہی کھو کر رہ جاتی ہے۔ اور وہ اس زخمی روح کو نہیں دیکھ سکتی جو اس ریشم کے نیچے پھڑپھڑا رہی ہوتی ہے۔ ان آنسوؤں کو بھی نہیں دیکھ سکتی جو ان زبردستی کے قہقہوں، اور بناوٹی مسکراہٹوں کے عقب میں جھلملا رہے ہوتے ہیں

"یہ درست ہے۔ کہ مجھے اعلیٰ سوسائٹی میں گھومنے پھرنے کا اکثر اتفاق ہوتا ہے۔ شہر کے بڑے بڑے روساء و عمائدین سے میرا تعارف ہے۔ اپنی نوکری کو برقرار رکھنے کے شوق میں ایسا کرنے پر مجبور ہوں۔ یہ لوگ بظاہر میری بڑی عزت کرتے ہیں مگر میں ان کی آنکھوں میں وہی حریصانہ چمک دیکھتی ہوں۔ جو کالج کے زمانہ میں کسی مرد کی آنکھوں میں دیکھ کر اس بیچارے کی حالت پر ہم بے اختیار کھلکھلا پڑتی تھیں۔ سمجھ گئی ریحانہ؟

اگر ہم کسی مریض کے گھر جا کر اس کا معائنہ کریں۔ تو تمہیں معلوم ہے۔ کہ ہمیں اس کا معقول معاوضہ ملتا ہے۔ مگر تم ...

شاید مجھے بیوقوف کہو گی کہ میں نے اس طرح کے سب "معائنے" موقوف کر دیئے ہیں۔ روپے سے مجھے کوئی ضد نہیں۔ لیکن دو سالہ تجربے نے مجھے یہ فیصلہ کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ اس اثنا میں میں نے اکثر دیکھا ہے۔ کہ کھاتے پیتے گھروں کے "مرد" لیڈی ڈاکٹر کو اکثر بے ضرورت بھی بلا لیتے ہیں۔ یہ بڑے لوگ؛ ان کا مقصد لیڈی ڈاکٹر کو ذرا زیادہ قریب سے دیکھنا ہوتا ہے۔ قریب سے دیکھنا اور تعارف کرنا ——— اور جب کسی جگہ میں ایسا محسوس کرتی کہ مجھے علاج کے لئے نہیں بلکہ محض تعارف کے لئے بلایا گیا ہے۔ تو میرے بدن میں ایک جھرجھری سی آتی میری غیرت کو ایک دھچکا سا لگتا۔ اور اپنی مجبوری پر ملامت کرتی اپنے افسروں سے برتاؤ اور طرز سلوک ایک الگ اور مستقل مسئلہ ہے۔ بلکہ میں تو کچھ ایسا محسوس کر رہی ہوں۔ کہ اگر کوئی عورت ملازمت کے سلسلہ میں داخل ہونا چاہتی ہے۔ اور بالخصوص ڈاکٹر بننا چاہتی ہے۔ تو اسے پہلے اپنے اخلاق عصمت اور غیرت کے نظریے میں تبدیلی کر لینا نہایت لازمی ہے۔ ورنہ اس کے لئے بغیر ملازمت ایک جان کا روگ بن جائے گی۔ چنانچہ میرے ساتھ یہی ہوا ہے۔ تم شروع سے میری طبیعت کی واقف ہو۔ میں اعلیٰ مغربی تعلیم کے باوجود ذہنی لحاظ سے ایک مکمل "مشرقی عورت" ہوں۔ لیکن اب میری معاشرت میں ملازمت کی وجہ سے جو تصادم سا ہو رہا ہے۔ اس سے میں صاف طور پہ محسوس کر رہی ہوں۔ کہ اس نظام میں میرے لئے کوئی جگہ نہیں۔ کوئی گنجائش نہیں

شادی کا مسئلہ ایک عورت کی زندگی میں جتنی کچھ اہمیت رکھتا ہے۔ وہ تو ہے ہی۔ لیکن ایک لیڈی ڈاکٹر اور پھر مجھ جیسی لیڈی ڈاکٹر کی شادی کے لئے اس میں بہت سے نئے الجھاؤ پیدا ہو جاتے ہیں۔ مثلاً اب جس سیرت، اخلاق اور طرز کا رفیق حیات میں چاہتی ہوں۔ مجھے یقین ہے ——— اور یقین کیا اب تو کچھ تجربہ بھی ہو چکا ہے۔ کہ وہ مجھ جیسی عورت ——— یعنی ایک لیڈی ڈاکٹر ——— کو اپنی بیوی بنانا پسند نہیں کرے گا۔ اور جس طرح کے "شوہر" مجھے عام مل سکتے ہیں۔ وہ مجھے پسند نہیں ———

ریحانہ! مجھے اس بات کا ہمیشہ اعتراف رہا ہے۔ کہ تم میری نسبت زیادہ ذہین ہو۔ کیا میں امید رکھوں۔ کہ اس مسئلہ میں بھی میری کوئی امداد کر سکو گی۔ میرا مطلب ہے کسی مشورہ سے؟

اب تمہیں انصاف سے بتاؤ کہ مجھ میں اور تم میں سے زیادہ خوش قسمت کون رہا؟ میں جو ایک قیدی پرندے کی طرح محبوس اور بے بس ہوں یا تم جو آزاد اور نغمہ بر لب ہو۔ ریحانہ! یہی ایک بات تمہاری سب سے بڑی خوش قسمتی ہے۔ کہ تم ایک "عورت" ہو "عورت" بہمہ اوصاف۔ اور میں ——— مجھے اپنی اس کمزوری کا اعتراف کر لینا چاہیئے۔ کہ مجھ میں "عورت" مر چکی ہے۔ میں صرف ایک لیڈی ڈاکٹر ہوں۔ جس کی زندگی اخلاق کے مشرقی اصولوں کے ماتحت رس اور کیف سے بالکل کبھی آشنا نہیں ہو سکتی

بھئی ریحانہ! مجھے معاف رکھنا۔ میرا خط تفریح اور دلچسپی کی بجائے ایک اوق سا مطالعہ بن گیا ہے جس سے بہت ممکن ہے کہ تمہیں ذہنی کوفت ہوئی ہو۔ مگر میں مجبور تھی۔ تمہاری غلط فہمی کا ازالہ بھی تو ضروری تھا

اچھا اب رخصت! ہسپتال کا وقت بھی ہو رہا ہے۔ ننھی چھوٹی کے گالوں میں میری طرف سے ایک چٹکی بھرنا۔ خالہ جان کو سلام

تمہاری حمیدہ

اسلامی پردہ

از:- حق گو

عرب کی دختر کشی چار دانگ عالم میں مشہور ہے۔ اور فی الحقیقت غیور عرب اس خیال سے کہ اگر ان کا کوئی داماد بنا تو ان کی گردن نیچی ہوگی۔ نیز ہر اس جائز و ناجائز عیب سے جس سے اس صنف نازک کو متہم کیا جاتا تھا خائف تھے وہ اپنی گوشہ جگر کو موت کے گھاٹ اتارنے کے لئے کئی اقدام اور بے پناہ حربے استعمال کرتے تھے۔ اور حتے الامکان اس کو سن بلوغ تک کبھی نہ پہنچنے دیتے تھے تاریخ اسلامی کے متعدد واقعات اس کے شاہد ہیں۔ لیکن درحقیقت نہ صرف عرب کی یہ حالت تھی۔ بلکہ تمام دنیا میں یہی حالت تھی و تمدن کے ابتدائی دور میں عورت کی حالت غلامی کی حالت سے کچھ اچھی نہ تھی۔ مردو یہودیوں اور یونانیوں کے حالات پڑھیئے جاہلیت عرب کی رسموں کا پتہ لگایئے۔ تو آپ کو معلوم ہوگا۔ ایشیا کی بعض قوموں میں عورت کا شوہر کی وفات کے بعد زندہ رہنا ہی سرے سے غیر ضروری سمجھا جاتا تھا۔ یورپ کا اس حیثیت سے ذکر ہی نہ آئے تو اچھا "یہ ہے تصویر جو کہ ایک مشہور مصنف نے کھینچی ہے۔ پھر ابتداء ہی میں آدم و حوا کے جنت سے خروج اور ہابیل قابیل کی جنگ کے قصص نے کچھ ایسی عوریت اور شہرت حاصل کی کہ بیان سے باہر ہے۔ غرض قبل از اسلام ان مظالم کی داستان بہت طویل ہے جو کہ لطف بہ ترحمد بڑھائے جاتے تھے۔ تو یہ اعتراف کرنا ہوگا۔ کہ اسلام ہی پہلا اور آخری

مذہب ہے۔ جس نے نہ صرف بقائے نسل کو قائم رکھنے اور مربوط و مضبوط رکھنے کے لئے اس کے وجود کو لازمی قرار دیا۔ اور ان تمام رسومات بد و خیالات فاسدہ کو یک قلم موقوف کر دیا۔ جو اس کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے مد ہوتے تھے اور فرمایا۔ "وہ تمہارے لئے لباس ہیں۔ اور تم ان کے لئے۔" بلکہ ..... اور معاشرہ میں عورت کو فوقیت کا درجہ اسلام ہی نے بخشا ہے۔ ان احسانات کے ہوتے ہوئے اگر اسلام نے پردہ کو جائز رکھا ہے اور حقیقتاً اس سے ان تمام برائیوں کا قلع قمع مقصود ہے۔ جو آئے دن ظہور پذیر ہوتی رہتی ہیں۔ تو کوئی جائے اعتراض معلوم نہیں دیتی۔ اگر کوئی بات قابل گرفت کورانہ تقلید کے دلدادہ ہندوستانی کے لئے رہ جاتی ہے تو وہ یہ کہ یہ آوردہ تہذیب حاضر نہیں اور پھر جو اشخاص پردہ نہیں چاہتے۔ کیا ان کو بے پردگی منظور ہے۔ اگر ایسا ہے تو ان کو سمجھانا یا حقائق پیش کرنا کوئی معنے نہیں رکھتا ہے

نظر آتے نہیں باپردہ حقائق ان کو
آنکھ جن کی ہوئی محکومی و تقلید سے کور

پردے کی ابتداء اونی اور اعلے خاندان کی عورتوں میں تمیز کرنے کے لئے ہوئی تھی۔ اس کو اسلام کے ہمراہ کوئی تخصیص نہیں چنانچہ حضرت ابراہیم کے بعد مقامی حالات کے ماتحت عورتوں کا قید و بند میں گرفتار ان نفس کی حیثیت سے رہنا شروع ہوا

جس میں ایک معتد بہ اضافہ یونان، روم، ایران اور مصری فراعنہ نے کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ عورت زیادہ سے زیادہ اپنے آقا کی کنیز تھی۔ اور کوئی مستقل وجود نہ رکھتی تھی۔ چنانچہ یہی خیال آج تک کسی نہ کسی پیرایہ میں متواتر چلا آتا ہے۔ ازاں بعد اسلام نے ان خیالات میں ترمیم کی اور وہ صنف نازک جو محض حصول استلذاذ کے لئے مردوں کے نفسانی جذبات کے تختہ مشق بن رہی تھی۔ اس کو ایک حد تک آزادی اور تمدن کے قانونی حقوق عطا ہوئے۔ چنانچہ عورتیں مردوں کے ہمراہ مسجدوں میں نمازیں پڑھتی تھیں۔ آدمیوں کے دوش بدوش جنگ میں لڑتی تھیں۔ زخمیوں کو پانی پلاتیں۔ ان کی مرہم پٹی کرتیں غرضیکہ وہ تمام کام سرانجام دیتیں جو ان کے شایان شان تھے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ اور ہرقل کے درمیان ۱۶ھ میں جنگ ہوئی۔ جس میں تمام ضروری کام عورتوں نے سرانجام دیئے چنانچہ ان کے عہد میں ہی ایک عورت کو مجسٹریٹ مقرر کیا گیا ..... عورتوں کے حقوق کی حفاظت اور ان کی آزادی کا ایک بین ثبوت ملتا ہے۔ کہا جاتا ہے۔ کہ تاریخ اپنے ماسبق کو دہراتی ہے۔ ابتدائی مسلمان حملہ آوروں نے بھی کیا۔ ان کو باہر رہنا پڑتا تھا۔ اور ہر وقت کے جنگ و جدل میں عورت کی عزت محفوظ رہتی نظر نہیں آتی تھی۔ اس لئے پردہ اور زیادہ سختی سے کیا جانے لگا۔ پھر اس کو گھر میں بھی رہنے کا مصلحتاً حکم دیا۔ ازاں بعد و لیدو و ثم کے زمانہ میں ایرانی رسومات کے زیر اثر نیز یونانی اور رومی عیسائی لوگوں نے جب اسلام قبول کیا تو اپنی رسومات ساتھ لائے۔ ان تمام چیزوں نے مل کر پردہ جو برائی کو روکنے کی آسان ترکیب تھی اس کو مصائب اور تختیوں کی ایک معجون مرکب بنا دیا۔

یہ ہے پردے کی مختصر سی تاریخ جس کی تفصیل کے چند اجزا قرآن حکیم کی آنے والی تفسیر میں ملیں گے

سورہ احزاب پارہ ۲۲ "جس وقت کوئی چیز تمہیں ان سے مانگنی ہو تو پردہ کے پیچھے مانگ لو"۔ موضح القرآن میں اس کی تفسیر یوں ہے: "اس آیت میں پردے کا حکم ہوا۔ کہ مرد حضور کے ازواج کے سامنے نہ جائیں۔ سب مسلمانوں کی عورتوں پر یہ حکم واجب نہیں۔ اگر عورت کسی مرد کے سامنے ہو اور اس کا سب بدن کپڑوں میں ڈھکا ہو تو گناہ نہیں اور اگر سامنے نہ ہو تو بہتر ہے" اس سے ظاہر ہے کہ گو تخصیص آنحضرت کے ازواج کے لئے ہے۔ مگر عام مسلمان بھی اس سے بری نہیں۔ اسی سورۃ کے اگلے رکوع میں ارشاد ہوتا ہے "اے نبی کہہ واسطے بی بیوں اپنی کے اور بیٹیوں اپنی کے اور بیٹیوں مسلمانوں کی کے کہ نزدیک کرلیں اوپر اپنے بڑی چادریں یہ بہت نزدیک ہے۔ اس سے کہ پہچانی جاویں اور نہ ایذا دی جاویں۔ اور اللہ تعالے بخشنے والا مہربان ہے" اس آیت کا شان نزول یہ ہے۔ کہ مسلمان لوگوں کی عورتوں کو کفار لوگ مذاق کرتے تھے۔ اور بہانہ یہ کرتے تھے۔ کہ وہ تمیز نہیں کر سکتے کہ لونڈی ہے یا شریف خاندان کی۔ لہذا یہ حکم ہوا۔ کہ پہچانی جا سکیں۔ کہ لونڈی نہیں بی بی ہے ——— تاکہ بدنیت لوگ اس سے الجھیں اور گھونگھٹ اس کا نشان رکھا۔ اور یہ حکم اس لحاظ سے بہتری کا ہے۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ مسلمان عورتیں پردہ نہیں کرتی تھیں۔ لہذا اس حکم کی ضرورت پڑی۔ دوسرا یا معترض کہتا ہے۔ کہ اب تو اس کی ضرورت نہیں۔ پھر یہ پردے والی مصیبت کیوں؟ اس کا ایک کھلا جواب یہ ہے۔ کہ قرآن حکیم

میں تناسخ موجود نہیں۔ وہ تمام احکام جو اس وقت نازل ہوئے اب بھی قابل پیروی ہیں۔ نیز اب مسلمان عورتوں کا پردہ کرنا سابق رسم کی پابندی نہیں۔ بلکہ اسلامی احکام کے عین تابع ہے۔

اب سوال یہ ہے۔ کہ پردہ کن کن لوگوں سے نہ کرنا چاہئے۔ اس کا ذکر سورہ نور میں آیا ہے "اور کہہ واسطے مسلمان عورتوں کے کہ نیچی کریں آنکھیں اپنی اور محافظت کریں شرمگاہ اپنی کی۔ اور نہ ظاہر کریں بناؤ اپنا مگر جو ظاہر ہے اس میں سے اور چاہیے کہ ڈالیں اوڑھنیاں اپنی اوپر گریبانوں اپنے کے اور نہ ظاہر کریں بناؤ اپنا مگر خاوندوں یا باپوں یا باپوں خاوندوں اپنے کے یا بیٹوں اپنے کے یا بیٹوں خاوندوں اپنوں کے یا بھائیوں اپنے کے یا بیٹوں بھائیوں اپنے کے یا بیٹوں بہنوں اپنے کے یا بیبیوں اپنی کے یا جن کے مالک ہوئے داہنے ہاتھ ان کے یا جو غیر حاجت والے ہیں ساتھ رہنے والے مردوں یا لڑکوں سے جو عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے ناواقف ہیں"۔ اس کے بعد پردے کے ہوتے ہوئے بھی عین ممکن تھا کہ کسی نہ کسی طرح عورتیں اپنی زینت کی طرف اشارہ کر جاتیں۔ چنانچہ آگے حکم ہوتا ہے۔ "اور نہ ماریں پاؤں اپنے زمین پر تاکہ جانا جاوے جو کچھ کہ چھپاتی ہیں اپنی زینت سے۔ اور توبہ کرو طرف اللہ کے اے مسلمانو تاکہ تم سب فلاح پاؤ"۔ پھر یہی نہیں کہ عورتوں کو ہی تنبیہ ہے۔ بلکہ مردوں کے لئے بھی وہ حکم دیا۔

• "اے نبی کہہ واسطے مسلمان مردوں کے کہ بند کریں آنکھیں اپنی اور محافظت کریں شرمگاہ اپنی کی یہ بہت پاکیزہ ہے واسطے ان کے تحقیق اللہ خبردار ہے ساتھ اس چیز کے کہ کرتے ہیں"۔ یہ اس لئے ارشاد ہوا۔ کہ کفر کی رسم میں ستر دکھانے کی کوئی پابندی نہ تھی۔ لہٰذا حکم ہوا۔ کہ نہ ستر دیکھیں اور نہ دکھائیں۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا۔ کہ برقعہ یا یشمک (ترکی میں برقعہ کی قسم کا کوٹ) زینت کو چھپانے کی بجائے ایک گونہ زینت کا سبب بنا ہوا ہے۔ اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے۔ کہ اسلامی پردہ میں کسی قسم کی دقت نہ تھی اور نہ ہی یہ کسی طرح دنیوی کام میں مخل ہوتا تھا۔ اور نہ کسی قسم کا اس سے صحت پر اثر پڑتا تھا البتہ اپنی ہی خود ساختہ قیدوں نے جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے اسے مصائب کا معجون مرکب بنا دیا ہے۔ اصلی پردہ کی صورت کچھ ایسی مسخ کر دی گئی ہے۔ کہ چند واقفان شرح شریعت ہی حقیقت معلوم کر سکتے ہیں۔ گو یا فعل بد تو خود کریں اور لعنت کریں شیطان پر۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ مرد کے لئے لازم ہے۔ کہ ٹخنے کے اوپر تہ بند رکھے رکھیں۔ عورت کو ٹخنہ بھی چھپانا چاہئے۔ تو اس سے ظاہر ہے کہ ایک ایسی چادر جس سے سر اور سینہ ڈھکا رہے۔ اصل پردہ ہے۔ اب یہ سوال رہا۔ کہ ہاتھ اور چہرہ اس میں شامل ہیں یا نہیں۔ اس کے متعلق ابن کثیر میں آیا ہے "عبداللہ ابن مسعودؓ نے کہا۔ کہ ما ظہر سے مراد وہ چیز ہے جس کا چھپانا ممکن نہیں وہ جیسے چادر جس کے نیچے کی طرف سے عورتوں کے کپڑے نظر آجاتے ہیں۔ تو اس میں عورتوں پر حرج نہیں۔ کیونکہ اس کے چھپانے پر وہ قادر نہیں اور یہی قول حسن اور ابن سیرین کا ہے۔ ابن عباس نے کہا ہے۔ ما ظہر سے مراد منہ اور دونوں ہاتھ ہیں۔ اور جمہور کے نزدیک یہی تفسیر مشہور ہے موضح القرآن میں ہے" مقصود سامنے ہاتھ کی انگلیاں [illegible]

میں سے کھلی چیز یا اس چیز کو کہا جیسے سفید کپڑے اور نئے پاپوش" عام کا خیال یہ ہے۔ کہ چہرہ اس میں شامل نہیں مگر بصورت سخت ضرورت ایسی حالت ہو جائے تو مضائقہ نہیں۔ اور ارشاد ہوتا ہے جب تم میں شادی کا کوئی خواستگار ہو۔ تو اگر ہو سکے تو وہ اسے دیکھنے کا انتظام کر لے یہ ہے اسلام کی فراخدلی کا زندہ ثبوت۔ چنانچہ مغیرہؓ کے متعلق آپ کو پتہ چلا۔ کہ وہ شادی کرنا چاہتا ہے۔ تو آپ نے اسے پوچھا کہ تم نے اسے دیکھا۔ تو اس نے نفی میں جواب دیا۔ تو آپ نے اسے دیکھنے کی تاکید کی۔ اس سے زیادہ واضح ثبوت اسلام کے فطرتی ہونے کا اور کیا ہو سکتا ہے۔ مخالفین کا فضول پروپیگنڈا ان واقعات کے سامنے نہیں ٹھہر سکتا۔ اور انہیں الٹی منہ کی کھانی پڑتی ہے۔ لیکن ان کے لئے کیا کیا جائے جو یہ نہیں سمجھتے۔ اور یہ اہل کلیسا کا انتظام تعلیم ایک سازش ہے فقط دین و مروت کے خلاف "چنانچہ ایسی ہی لغزش میری ایک گریجویٹ بہن سے ہوئی"۔ کے ماسک کے پرچہ میں [illegible] ہے۔ و دلائل قابل جواب نہیں۔ بلکہ ان میں سوائے غیروں کی تقلید کے اور کوئی دلیل نہیں دی گئی۔ اور اس سے گئے گذرے ایک نظم میں چند اشعار تھے جو کہ کسی قابل التفات نہیں۔ مجھے اتنا بھی اس لئے لکھنا پڑا کیونکہ

جو فرد بگڑا تو قوم بگڑی جو قوم بگڑی تو ملک بگڑا
یہی ہے تقدیر ہر بشر کی کبھی کو اس سے مفر نہیں ہے

خیر یہ ایک جزوی اور غیر ضروری بات تھی۔ جو مجھے کہاں سے کہاں لے آئی

میں یہ عرض کر رہا تھا۔ کہ پردہ کسی طرح بھی کاروبار میں مخل نہیں۔ بشرطیکہ آپ خود ہی ہوا نہ بنالیں۔ بعض جگہ یہ دیکھا جاتا ہے۔ کہ عورتیں اگر کوئی مرد کسی نہایت ضروری کام کے لئے بھی کچھ دریافت کرنا چاہے یا ان کو سودا سلف خریدنا ہو تو وہ ایسا نہیں کرتیں۔ کیونکہ ان کے خیال میں اس طرح پردہ نہیں رہتا۔ کلام مجید میں اس کی اجازت ہے۔ البتہ جہاں کہیں فضول سوالات کا کھٹکا ہو وہاں جواب ذرا ترش دینا چاہئے لیکن وہ حضرات جو ناولیں کرنا پسند کرتے ہیں انکا کوئی علاج نہیں ہے

قرآن کو بازیچہ تاویل بنا کر
چاہے تو اک تازہ شریعت کرے ایجاد

آخر میں میں پردہ کی غرض و غایت اور دیگر ممالک جن میں پردہ نہیں ان کی حالت ایک مشہور مصنف کی زبانی بیان کرتا ہوں۔ "بے پردگی سے جو خطرناک نتیجے یورپ اور امریکہ میں پیدا ہوئے۔ ہمیشہ کے لئے ایک غیور اور منصف مزاج آدمی کی آنکھیں نیچی رکھنے کے لئے کافی ہیں۔ شاید سوہی ہنا ہوں گے جو بے پردگی کی رسم بد کو آج اٹھا دیں اگر ان کا بس چلے"۔ پھر فرماتے ہیں پردے کی غرض و غایت کیا ہے۔ عورت کی پاک دامنی اور ناموس کی حفاظت۔ لیکن جن لوگوں میں پردے کا دستور نہیں وہ اپنی عورتوں کی پاکدامنی اور ناموس کی ویسی ہی حفاظت کرنی چاہتے ہیں۔ جیسی ہم۔ ہم اور ان میں اگر فرق ہے تو اتنا ہی مثلاً ایک شخص نے خزانے کے صندوق پر تالا لگایا۔ دوسرے نے تالا بھی لگایا اور صندوق کو ایسی جگہ رکھا۔ کہ چور کی نظر نہ پڑے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ دونوں میں سے کون زیادہ خزانے کی طرف سے مطمئن ہے۔ بے شک وہی جس نے تالا بھی لگایا۔ اور صندوق کو ایسی جگہ رکھا۔ کہ جہاں چور کی نظر نہ پڑے۔ ہم اس کو مانتے ہیں۔ کہ اگر عورتیں

ہماری عورتوں سے بہت زیادہ لائق ہیں۔ انتظام خانہ داری میں، شوہروں کے خوش رکھنے میں۔ اولاد کی تعلیم و تربیت میں۔ بلکہ علمی لیاقت میں بھی۔ لیکن بے پردگی کی وجہ سے بلکہ عام سوسائٹی کی شائستگی اور تہذیب اور ترقی کی وجہ سے۔ ہم میں بھی لائق مردوں کی ماں بہنیں جو مردوں سے زیادہ لائق ہوتی ہیں۔ دیندار وں کی دیندار، نیک کرداروں کی نیک کردار عملوں کی بھلی، بُروں کی بُری، شریفوں کی شریف، پاجیوں کی پاجی۔ یوں تو جیسے دو آنکھیں مردوں کی ویسی عورتوں کی جیسے دو کان مردوں کے ویسے عورتوں کے، جیسے قویٰ مردوں کے ویسے عورتوں کے۔ لیکن پھر بھی خدا نے مرد اور عورت میں بڑا فرق رکھا ہے۔ عورتیں کتنے ہی ہاتھ پاؤں ماریں۔ یہ فرق مٹ نہیں سکتا۔

اور جو یہ اعتراض کرتے ہیں۔ کہ پس پردہ بھی ہزاروں فعل ہوتے ہیں۔ ان کو یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ جن کو ڈوبنا ہی منظور ہو وہ کشتی میں سے بھی ڈوب سکتے ہیں۔ البتہ یوں بغیر کشتی سمندر میں جانا موت کو ایک کھلی دعوت ہے طبیبوں کے ہوتے ہوئے بھی لوگ بیمار پڑتے اور مرتے ہیں۔ تو کیا طب کو سرے سے اٹھا دینا چاہیئے ؎

تقلید سے ناکارہ نہ کر اپنی خودی کو
کر اس کی حفاظت کہ یہ گوہر ہے یگانہ

جرم وذیر ہوئے ترک عمل سے بدنام
ہوا طاری نشۂ مغرب پہ اعزاز فراواں کا
کیا ہوئی جرأت رندانۂ اہل محفل
آزادی افکار سے بھی جو ہوئی محروم
انسان ہوا کیوں طاعت خلاق سے منکر
کوشش انساں کا حشر خطۂ یورپ میں دیکھ

دیکھئے اہل عقیدت اسے کیا کہتے ہیں؟
کیسے معلوم یہ بھی امتحاں ہے نوع انساں کا
آ کے رک جاتا ہے لب پہ کوئی نام اے ساقی
سچ یہ ہے کہ اس قوم کے جینے کا بھرم کیا؟
پوچھ ان سے سمجھتے ہیں جو مجبوری حرماں
کھا گئی تقدیر کے سامنے تدبیرات

عورت کیا ہے

از:- محترمہ پکھراج ہاشمی (امرتسر)

عورت کیا ہے؟ ایک عالم نورنگی سیر کرنے والی شہزادی ایک نور پاش شگاف خراماں پیکر آتش۔ ایک بے خبر معصوم تماشا نورکی تجلی۔ ایک تبسم خنداں۔ ایک تفریح ضیاء۔ ایک سرود محبت۔ ایک برق متحرک۔ ایک سنبل معطر۔ ایک سحر روح لرزاں۔ ایک برق پاش نگاہ۔ ایک حیات سوز اور جگر دوز نظر۔ ایک آبگینہ الفت۔ ایک خرام وقار۔ ایک خندۂ صہبا۔ ایک شان بے خبری۔ ایک روح پرور غنچہ۔ ایک سراپا محبت ایک سرتا سر معصومیت۔ ایک موسیقی خراماں

عورت انسان اور فرشتہ کے درمیان ایک مخلوق ہے عورت آنکھ کے لئے جنت، دل کے لئے دوزخ اور جیب کے لئے بربادی جس عورت میں حسن کے سوا کوئی جوہر نہیں ہوتا وہ ایک روغنی روٹی کی طرح ہے۔ کہ جب تک روٹی گرم رہتی ہے اچھی معلوم ہوتی ہے۔ اور سرد ہوتے ہی اس کا ذائقہ بدل جاتا ہے۔ عورت مجسم عشوہ گری ہے۔ اور دنیا میں بغیر فوج کے حکومت اگر کسی کی ہے۔ تو وہ صرف عورت کی ہے۔ دنیا بھر میں کوئی موتی۔ کوئی لعل۔ کوئی ہیرا اتنا بیش بہا یا بیش قیمت نہیں ہوتا جتنا ایک معصوم اور عفت مآب عورت۔ بالخصوص جب کہ وہ حسین بھی ہو۔

عورت مرد کی خواہشات کی تکمیل کا صرف آلہ ہی نہیں ہے بلکہ عورت گھر کی ملکہ ہے۔ نیک دل حاکم ہے۔ اطاعت شعار محکوم۔ اور غمگسار شریک زندگی ہے۔ عورت بچوں کی وہ ماں ہے جس کی آغوش شفقت اپنے بچوں کے لئے ہر وقت کھلی رہتی ہے۔ عورت جوانی کی راحت اور بڑھاپے کی وفادار رفیق ہوتی ہے۔ بیماری میں شریف ترین تیماردار اور مصیبت میں سچی وفادار اور غمگسار ثابت ہوتی ہے۔ اس نے کائنات کے سب سے پہلے انسان کو اپنے وجود سے تسکین دی۔ اس کے بطن سے نامور فاتح، دیوتا، پیغامبر، رشی منی جن پر کائنات اور اقوام کو ناز ہے پیدا ہوئے

عورت اپنے بچوں کی شفیق ترین ماں ہے خاوند کی رفیق ترین شریک زندگی ہے۔ اپنے پڑوسیوں کی ہمدرد ہے دنیا میں سب سے زیادہ خوش نصیب وہ مرد ہے جسے خداوند کریم نے نیک اور وفا شعار بیوی عطا کی ہو ایسے شخص کے لئے گھر حقیقی معنوں میں جنت ہے جس وقت وہ دن بھر کی محنت و مشقت کے بعد گھر واپس آتا ہے تو بیوی کی دلفریب مسکراہٹ اس کی تمام محنت پذیریوں کا نعم البدل بن جاتی ہے۔ وہ وفا کی دیوی کو دیکھ کر تمام پریشانیاں اور فکر بھول جاتا ہے۔ اور وہ فقر و فاقہ کی زندگی میں بھی تخت شاہی کے مزے لوٹتا ہے۔

لیکن اگر زن و شوہر میں باہم بدمزگی ہے تو دونوں کی زندگی اس طرح گزرتی ہے کہ جیسے وہ جیتے جی دوزخ کی آگ میں جل رہے

کھیل اور بچہ

تربیتِ اولاد

از:- شیر محمد صاحب اختر

اسکول کی عمر سے پہلے بچے کے لئے ضروری ہے۔ کہ اس کو گھر میں والدین کھیل کے ایسے مواقع بہم پہنچائیں جن کے ذریعے وہ اپنے جذبات کا اظہار کر سکیں۔ والدین کو چاہیے کہ وہ اس کے سامنے ایسا سامان رکھیں جو اس کی نشوونما میں ممد و مددگار ثابت ہو سکے۔ گھر کی فضا اس کے کھیل کی راہ میں حائل نہ ہو۔ اگر اس کا شوق مٹی کے کھلونے بنانے سے پورا ہوتا ہے۔ تو اسے بنانے دیجئے۔ مگر افسوس تو یہ ہے۔ کہ بڑے بڑے شہروں میں گیلی مٹی کہاں ملے گی۔ غریب کے لئے تو زمین وسیع ہے۔ مگر امیر طبقے کے لئے سیمنٹ کے بنگلے اور لان کی ہوتی سڑکیں ہیں۔ مٹی کہاں سے آئے اور امیروں کے بچے مٹی سے کھیل بھی کب سکتے ہیں۔ بچے کی ایک جبلت محض ہماری صفائی پسندی کی وجہ سے دب کر رہ جاتی ہے۔

بڑے دنوں میں متوسط الحال اور امیر گھرانوں میں اس قدر کھلونے لائے جاتے ہیں۔ کہ ان سے بچہ گھبرا جاتا ہے۔ ان میں سے اکثر کھلونے ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے لئے مشاق ہاتھوں کی ضرورت ہے۔ مثلاً ریل گاڑی اور انجن۔ ننھی انگلیاں چابی دینے کے ناقابل ہوتی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ بچے کے والدین خود کھیلنے لگتے ہیں۔ اور بچہ ایک تماشائی کی طرح ان کا منہ تکتا ہے۔ اور اس کا اثر بچے کی آئندہ زندگی پر ہوتا ہے۔ خود بخود چلنے والی ریل گاڑی کے بجائے اگر آپ اسے ایک ایسا کھلونا لا دیں۔ جو مختلف حصوں میں تقسیم ہو سکتا ہے۔ اور بچہ خود اسے جوڑ کر بنائے۔ تو اس سے وہ بہت زیادہ خوشی محسوس کرے گا۔ اور اس سے بچے کا تخلیقی جذبہ نشوونما پائے گا۔

بدقسمتی سے ہمارے ملک میں کھلونوں کے معاملے میں بہت سی بے پروائی برتی جاتی ہے۔ حالانکہ دوسرے ملکوں میں کھلونے بنانا ایک سائنس کی حیثیت حاصل کر چکا ہے اور بچوں کی مختلف عمر کے لئے مختلف قسم کے کھلونے تیار کئے جاتے ہیں۔ بچوں کو اگر ان کی عمر اور ان کے شوق کے لحاظ سے کھلونے مہیا کئے جائیں۔ تو یہ تعلیمی لحاظ سے بھی نہایت مفید اور زود اثر ثابت ہوگا۔

اب زمانہ تبدیل ہو چکا ہے۔ نفسیات کے ماہرین کا خیال ہے۔ کہ اب بچوں کو ذرا آزادی دی جائے۔ اگر وہ کیل اور ہتھوڑا مانگیں۔ تو انہیں دے دیا جائے۔ لکڑی اور آری استعمال کرنے سے نہ روکیں۔ آپ بچے کو ان ہتھیاروں سے کام کرتے بغور دیکھیں۔ بعض دفعہ جب وہ دو تختوں کو صلیب کی شکل میں جوڑے گا۔ تو اس کا دماغ فوراً ہوائی جہاز کی طرف منتقل ہوگا۔ آپ اس کی خوشی کا اندازہ نہیں کر سکیں گے۔ اس کے برخلاف اگر آپ ہوائی جہاز کا ایک چھوٹا سا ماڈل لا کر دے دیں۔ تو وہ کبھی اس قدر خوش نہ ہوگا۔

شاید بعض والدین اپنے لاڈلے بچے کو ہتھوڑے کا استعمال نہ کرنے دیں۔ مگر وہ نہیں جانتے کہ جہاں بچہ ہتھوڑے کی ایک چوٹ اپنے انگوٹھے پر کھاتا ہے۔ وہاں اس سے کئی گنا زیادہ فائدہ اسے اپنی بے احتیاطی کے احساس سے ہوگا۔ کیونکہ آئندہ وہ خود بخود ہتھوڑے کا ٹھیک استعمال کرنے لگے گا۔ یا کرنے کی کوشش کرے گا۔

کھیل کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے۔ کہ بچوں میں اجتماعی کیرکٹر پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ آپس میں مل کر بیٹھنا سیکھتے ہیں۔ اسکول جانے کی عمر سے پہلے بچوں کا ٹولیوں میں کھیلنا ذرا مشکل ہے۔ عموماً بچے تنہا کھیلنا پسند کرتے ہیں۔ اور انہیں ٹولیوں میں کھیلنے سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ جوں جوں وہ دوسرے بچوں سے مل کر کھیلنا شروع کریں گے۔ ان میں اجتماعی زندگی پیدا ہوگی۔ اور آہستہ آہستہ وہ ایک دوسرے کے کھلونوں سے کھیلنے لگیں گے۔ ان میں ایک دوسرے کی مدد کا جذبہ پیدا ہوگا۔ کھیل ہی کے ذریعے بچوں میں "ملکیت" کا احساس ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ بعض اوقات دوسروں کو دیکھ کر ایک بچے کے دل میں یہ خیال پیدا ہو۔ کہ جو کھلونے دوسروں کے پاس ہیں وہ ان سے محروم ہوں۔ اور پھر جب وہ اپنے سے غریب بچوں کو دیکھے گا۔ تو اس کے دل میں اس کے برعکس جذبہ پیدا ہوگا۔ یعنی وہ اپنے آپ کو بہت خوش قسمت سمجھے گا۔ یہی جذبہ بڑے ہو کر دولت کی تقسیم کو سمجھنے میں اس کی مدد کر سکیں گے۔ دوسروں سے مل کر کھیلنے میں وہ سماجی زندگی کی ابتدا کرے گا۔ اگرچہ اطاعت کا جذبہ ذرا مشکل اور دیر سے پیدا ہوتا ہے۔ مگر بچے کی تربیت کا بہترین زمانہ یہی ہے۔ لڑکپن میں ٹولیوں اور ٹیموں میں تقسیم ہو کر کھیلنے سے اجتماعی زندگی کی نشوونما بہت جلد ہوتی ہے۔ مگر بچپن میں جو بچے تنہائی پسند اور اکیلے کھیلنے کے عادی ہوں وہ لڑکپن میں دوسرے لڑکوں سے دور رہیں گے۔ خصوصاً اکلوتا بچہ اس لحاظ سے بہت بدقسمت ہوتا ہے۔ کہ وہ عموماً سوسائٹی سے دور رہتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ اس کی ساری زندگی تلخ ہو جاتی ہے۔

مشہور ماہر نفسیات ایڈلر لکھتا ہے۔ کہ بچہ کھیل کی طرف کیسے راغب ہوتا ہے؟ اس کا مذاق کیسا ہے؟ اور وہ کھیل کو کتنی اہمیت دیتا ہے؟ ان سب باتوں سے ہم اندازہ لگا سکتے ہیں۔ کہ آئندہ زندگی میں وہ اپنے گرد و پیش کے حالات کو کس طرح محسوس کرے گا۔ اور اس کے تعلقات دوسرے لوگوں سے کیسے ہوں گے۔

کھیل کے میدان میں آپ معلوم کر سکتے ہیں۔ کہ آپ کا بچہ دوسرے بچوں کے ساتھ دوستانہ برتاؤ رکھنے کا عادی ہے یا معاندانہ۔ اور کیا اس میں حکم دینے کی اہلیت ہے۔ اگر بچے کی حرکات کو بنظر عمیق دیکھا جائے۔ تو ہمیں معلوم ہو جائے کہ زندگی کے متعلق اس کا کیا نظریہ ہے۔ اس لئے کھیل ہر بچے کے لئے ضروری ہے۔

جو بچے کھیل سے جی چراتے ہیں۔ یقین جانیے کہ وہ زندگی میں ناکام ہوں گے۔ انہوں نے زندگی کو غلط زاویے سے دیکھا ہے۔ اگر ایسے بچوں کو جبراً کھیل میں دھکیل دیا جائے تو وہ دوسروں کو بھی بدمزہ اور خراب کریں گے۔ ان میں آہستہ آہستہ تکبر، نخوت اور خود ستائی ایسی بری عادات پیدا ہو جائیں گی۔ ان میں اس قسم کا خوف پیدا ہوگا۔ کہ شاید ہم فلاں کام اچھی طرح نہ کر سکیں گے۔ اور جھوٹی خود نمائی انہیں کھیل سے دور رکھے گی

itsurdu.blogspot.com

مستقل عنوان

محفل حور

محفل حور میں حور کی خریدار بہنوں کے ہی خطوط درج ہو سکتے ہیں۔ اس لئے بزم حور سے متعلق خطوط میں نام کے ہمراہ خریداری نمبر لکھنا ضروری ہے۔ محفل حور سے متعلقہ خطوط کی اشاعت یا عدم اشاعت کا اختیار ہر طرح ادارے کو حاصل ہے۔ محفل حور کے استفسارات اور جوابات میں شامل ہونے والی جو بہنیں اپنا نام ظاہر کرنا چاہتی ہوں انہیں خط کے ہمراہ یہ ہدایت لکھ دینی چاہیے۔

جوابات

گذشتہ نمبر میں ایک حوری بہن نے اپنے بچے کے متعلق علاج طلب فرمایا ہے۔ محترم بہن کی خدمت میں عرض ہے کہ ایسے بچوں کی ایسی ذہنی کیفیت کو (DAY Dreaming) کہا جاتا ہے ایسے بچوں کی تعلیم و تربیت والدین اور اساتذہ دونوں کے لئے بہت ہی مشکل کا باعث ہوتی ہے۔ لیکن اس کا سب سے بہترین علاج یہ ہے کہ صبر و استقلال سے کام لیا جائے اور چیز سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ کہ وہ کس چیز کے متعلق سوچ و بچار کرتا ہے۔ کیونکہ ممکن ہے یہی بچہ کل کسی قسم کی ایجاد کا مالک ہو مگر اس کے ساتھ ہی اس کی بے توجہی اور سستی کو دور کرنے کی تدابیر کرنی چاہیے۔ ماں کو چاہیے کہ وہ بچے کے ہم خیال ہو کر اس کے رجحانات کا مطالعہ کرے اور دیکھے کہ بچہ کس قسم کی کہانیاں پسند کرتا ہے۔ اس طرح سے بچے کی تمام ذہنی کیفیت آپ پر واضح ہو جائے گی۔ پھر آپ اس کے علاج کا حل بھی نکال لیں گی۔

ماسٹر شبیر حسن

محترمہ ... فرخ علی صاحبہ نے چھائیوں کے علاج کے لئے آزمودہ نسخہ طلب فرمایا ہے۔ اور ایک بہن نے فلوراہیوٹی لوشن کا مفید ثابت ہونا اور اس کے استعمال کرنے کی سفارش فرمائی۔ ایسی ادویات آج کل عموماً گراں ہوتی ہیں۔ اور ہر ایک بہن قیمتی ادویات کو استعمال میں نہیں لا سکتی میں ذیل میں ایک نہایت ہی مجرب اور کم قیمت نسخہ درج کرتی ہوں جس بہن کو چھائیوں سے تکلیف ہو وہ اس کو استعمال کرے۔ بالکل بے ضرر کم خرچ اور بالا نشین والا معاملہ ہے۔ ہزار ہا مریض بھائی بہن اس سے شفایاب ہو گئے ہیں۔ یہ نسخہ میرے دادا ابا صاحب (خدا انہیں غریق رحمت کرے) کا بتلایا ہوا ہے۔ سرو چینی۔ قلمی شورہ۔ ہموزن اچھی طرح پیس کر چھان لیویں اور ملمن میں ملا کر ایک ڈبیہ میں رکھ لیویں۔ رات کو سوتے وقت انگلی کے ساتھ نرم نرم طریقہ سے چہرے پر جس طرح کریم لگائی جاتی ہے لگائیں رات کو ایک چینی کے پیالے میں بورا گندم تقریباً دو تولہ صاف کر کے بھگو چھوڑیں۔ صبح اٹھ کر اس پانی کو باریک کپڑے میں چھان کر اس کے ساتھ منہ کو دھو ڈالیں۔ ایک ہفتہ تک متواتر استعمال کریں۔ انشاءاللہ تعالیٰ چہرہ بلور کی مانند صاف اور شفاف ہو جائے گا۔ چھائیوں کے داغ بالکل

جاتے رہیں گے۔ آپ آزمائیں۔ اور پھر تحیے سے بذریعہ حور مطلع فرمائیں

چکراج ہاشمی بنت سید عبدالحافظ صاحب

استفسارات

مجھے اپنے بالوں میں لہریں ڈالنی مطلوب ہیں کوئی بہن کسی ایسے طریقے سے مطلع فرمائیں۔ جس سے بال مستقل طور پر ایسے ہی رہیں

جمیلہ سلطان

بچہ جب دانت نکال رہا ہو۔ تو اسے کس قسم کی غذا دینی چاہیئے۔ جس سے ایک تو اس کے جسم میں کسی قسم کی کمزوری نہ ہو۔ دوسرے دانت نکالنے میں آسانی ہو

بیگم نیاز احمد

مجھے فرنیچر کے مختلف رنگوں کے پالش اور پالش کرنے کا آسان طریقہ اور میز پر سے روشنائی کے دھبے دور کرنے کی ترکیب مطلوب ہے۔ اگر کسی بہن کو معلوم ہو تو مطلع فرمائیں

بیگم ایم۔ ایم ظہور الدین احمد

مجھے بالوں کو لمبا کرنے کا نسخہ مطلوب ہے۔ کوئی حوری بہن کسی اچھے سے نسخے سے مطلع فرما کر ممنون فرمائیں۔

قمر النساء

نعمت خانہ

نان لحمی

اشیاء:- میدہ تین پاؤ۔ بکرے کے گوشت کا بہت باریک قیمہ نصف سیر۔ آلو کا نشاستہ ایک پاؤ۔ گھی ایک پاؤ

ترکیب:- پہلے میدہ کو گوندھ کر اس میں قیمہ ملا لو۔ پھر گھی اور آلو کا نشاستہ ملا کر خوب اچھی طرح گوندھ لو۔ اگر نان میٹھے بنانے ہوں تو شکر اور اگر نمکین پسند ہوں تو نمک ڈال لو پھر زیرہ و مرچ سیاہ کا اضافہ کر کے تمام اشیاء کو خوب اچھی طرح گوندھ لو۔ اب چھوٹی چھوٹی ٹکیاں تیار کر کے تندور میں پکا لو۔ پکنے کے بعد ایک روز دھوپ میں رکھ کر خشک کر لو۔ چاء اور دودھ کے ساتھ استعمال کریں بہت خوش ذائقہ اور لذیذ ہوں گے

محترمہ بنت شیخ محمد اسماعیل

ناریل کی فرنی

اشیاء:- ناریل ایک پاؤ دودھ ڈیڑھ سیر شکر ایک سیر

ترکیب:- شب کو ناریل کسی کپڑے میں بھگو کر رکھ دیں۔ صبح کو چھیل کر سل پر میدہ کی مانند خشک کر لیں۔ اب دودھ کو جوش دے کر اس میں پسا ہوا ناریل ڈال کر کفگیر چلائیں۔ جب ذرا گاڑھا ہونے لگے تو شکر ڈال دیں اور پکائیں۔ جب اچھی طرح گاڑھی ہو جائے تو اتار کر پلیٹوں میں جما دیں۔ پھر کیوڑہ چھڑک کر اور پسینہ کی ہوائیاں لگائیں

اختر سلطانہ (امرتسر)

مستقل عنوان

زعفرانی آئس کریم

اشیاء:- دودھ ایک سیر چینی پاؤ بھر۔ الائچی۔ پستہ زعفران حسب پسند برف تین سیر۔ نمک نصف پاؤ۔ نوشادر نصف پاؤ۔ قلمی شورہ ایک پاؤ۔

ترکیب:- پہلے دودھ میں چینی حل کر کے اس میں زعفران ڈال دیں۔ پھر ڈبہ میں الائچی پستہ۔ زعفران ڈال کر ڈبے کا منہ میدہ سے بند کر دیں۔ اب برف نمک نوشادر اور قلمی شورے کو کسی مٹکے میں ڈال کر اس میں دودھ والا ڈبہ رکھ کر ہلاتے رہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد دودھ جم جائے گا۔ بہت خوشبودار اور لذیذ آئس کریم تیار ہو گی

محترمہ بیگم حاجی کرم الہی

چنے کی دال کا حلوا

اشیاء:- چنے کی دال ایک پاؤ۔ گھی پاؤ بھر شکر حسب پسند

ترکیب:- پہلے چنے کی دال کو بھگو کر پھر اچھی طرح دھو کر آگ پر گلاؤ۔ جب اور کھچڑی سی ہو جائے تو خشک کر کے پیس لو۔ پھر گھی میں بھون لو۔ اور شکر کی چاشنی ملا کر پکا لو۔ جب گھی چھوٹنے لگے تو میوہ۔ پستہ۔ الائچی اور کیوڑہ ڈال کر اتار لو۔ بہت ہی لذیذ حلوا تیار ہو گا۔

حمیدہ بیگم

لطیفے

ایک ان پڑھ ہارمونیم ساز صاحب بڑے پریم سے باجا بجا رہے تھے جھوم رہے تھے۔ سروں اور تالوں میں مست تھے کہ اتنے میں ایک چٹھی رساں بلائے بے درماں کی طرح نازل ہوا۔ اور ایک کارڈ ان کی دکان پر پھینک کر چلتا بنا

ایک نیم خواندہ بزرگ نے خط پڑھا اور بڑے درد بھرے لہجے میں فرمایا: "صبر کے بغیر چارہ نہیں مسٹر اس کارڈ میں یہ لکھا ہے۔ کہ آپ کی بہن فوت ہو گئی ہے۔ کیا بے چاری بیمار تھی؟

قدرت نے نیا راگ چھیڑ دیا۔ ہارمونیم ساز نے رونا شروع کر دیا۔ اس کی چیخیں آسمان سے باتیں کرنے لگ گئیں دوکان پر ہجوم اکٹھا ہو گیا۔ یاروں رشتہ داروں کا تانتا بندھ گیا۔ کسی نے آپ کے گھر بھی اطلاع کر دی

ہارمونیم ساز کی بیوی دل سے چاہتی تھی۔ کہ ساس اور نند سے اس کو چھٹکارا ہو۔ دل میں ہنسی۔ لیکن ویسے خوب روتی اور بین کرتی ہوئی شوہر کی دوکان پر پہنچی۔ محلے والیاں بھی اس کے ہمراہ اور شریک غم تھیں۔ ہوتے ہوتے برادری والے پہنچے بڑے چوہدری کے مشورے سے ۲۰ کے قریب مرد و زن ماتم کناں بس پر سوار ہو کر سٹیشن کی طرف چل دیئے۔

غمزدہ کے ایک دلی دوست نے ٹکٹیں خریدنے کا عزم کیا۔ ہارمونیم ساز نے روکا۔ ٹوکا اور کہا: "عزیز آپ یہ تکلیف نہ کریں۔ یہ خرچ میرا فریضہ ہے۔"

چنانچہ اس نے دس دس روپے کے تین نوٹ اپنے دوست کو دیئے۔ نوٹوں کے ساتھ وہ کارڈ بھی دوست کے حوالے کر دیا۔ جو اس ہنگامہ کی عمارت کا بنیادی پتھر تھا

جاں نثار یار خواندہ تھا۔ لیکن قضا کے ڈر نے اسے ٹکٹیں خریدنے سے پہلے خط پڑھنے کی رغبت نہ دلائی۔ آخرکار اس کی نظر کارڈ کے ان الفاظ پر پڑی

"رضائے الٰہی سے آپ کی بھینس فوت ہو گئی ہے" یہ الفاظ پڑھتے ہی اسے بے اختیار ہنسی آ گئی۔ اس کے لبوں پر دور سے ہلکا سا تبسم دیکھ کر ایک مسافر بھی خاصی اونچی آواز سے بولا: "یہ کس قدر سنگ دل انسان ہے۔ اس کے ساتھی رو رہے ہیں اور یہ ہنس رہا ہے" سچ ہے

"ملک ماہی داوے۔ کوئی روے کوئی ہسے"۔ (خدا کا ملک آباد ہے۔ کوئی شاد ہے کوئی ناشاد ہے)

ٹکٹوں والے نے مسافر کو ترکی بترکی جواب دینا پسند نہ کیا۔ ورنہ ممکن تھا۔ کہ دونوں میں تو تو میں میں بڑھ جاتی سر پھٹول تک نوبت پہنچ جاتی۔ اور سٹیشن پر اچھا خاصا ہندو مسلم فساد شروع ہو جاتا

اس نے اپنے رفیق سے کہا: "بھائی خیر ہے چلو گھر چلیں ٹکٹیں واپس کریں۔ آپ کی بہن زندہ ہے خط میں یہ لکھا ہے۔ کہ آپ کی بھینس فوت ہو گئی ہے"۔ تیسرے پڑھے لکھے انسان نے بھی اس کی تائید کی۔

اس پر ساری پارٹی مارے خوشی کے بلیوں اچھلنے لگی۔ سنا ہے۔ کہ ایک خاتون کے آنسو نہ تھمے۔ اس لئے کہ اسے شوہر کی بہن کی موت گوارا تھی۔ لیکن بھینس کی موت گوارا نہ تھی

مولانا روم فرماتے ہیں۔ کہ ایک شخص تھا رئیس لیکن ساتھ ہی غایت درجے کا خسیس تھا۔ ایک دن یہ کنجوس کبھی جو عشاء کی نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں گیا۔ اسے فکر دامنگیر ہوئی۔ کہ گھر میں چراغ سرپوش کے بغیر جل رہا ہے۔ اس طرح تو تیل سارے کا سارا خرچ ہو جائے گا۔ فوراً مسجد سے نکل کر گھر کو بھاگا۔ اور نوکرانی کو باہر ہی سے پکار کر کہا

"دروازہ نہ کھولو اور چراغ پر سرپوش رکھ دو"

خادمہ:- دروازہ کیوں نہ کھولوں؟

رئیس:- اری بدبخت کیا تجھے معلوم نہیں کہ دروازہ کھولنے سے چول گھس جائے گی

خادمہ:- میرے آقا میں نادان ہی سہی مگر آپ کو خیال نہ آیا کہ مسجد سے گھر تک آنے میں جوتیوں کے تلے گھس جائیں گے

رئیس:- خاطر جمع رکھو میں ننگے پاؤں آیا ہوں

ایک مولوی صاحب ایک گاؤں میں وعظ کے لئے گئے بھیڑ زیادہ تھی۔ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی مولوی صاحب نے پھیپھڑوں کا پورا زور لگا کر فرمایا

"عزیزو! تھوڑے عرصہ کے لئے مجھے اپنے کان ادھار دے دو"

اس پر ایک زمیندار نے ہنس کر کہا۔

مولانا "ہم ادھار لینا جانتے ہیں۔ دینا نہیں جانتے"

مولوی: "میرا بھی یہی حال ہے" میں لینا جانتا ہوں۔ دینا نہیں جانتا"

R. L. No. 4675.

R. L. No 4675

The "HOOR" Monthly
LAHORE.
(A LEADING URDU MONTHLY FOR LADIES.)

جالی دار

"حور" کے دستکاری نمبر کا ایک دلکش نمونہ

DAST KARI NUMBER
OF THE
HOOR
IS A

اس نے اپنے رفیق سے کہا:۔ بھائی خیر ہے چلو گھر چلیں بکریں واپس کریں۔ آپ کی بہن زندہ ہے خط میں یہ لکھا ہے۔ کہ آپ کی بھینس فوت ہوگئی ہے۔" تیسرے پڑھے لکھے انسان نے بھی اس کی تائید کی۔

اس پر ساری پارٹی مارے خوشی کے بلیوں اچھلنے لگی۔ سنا ہے۔ کہ ایک خاتون کے آنسو نہ تھمے۔ اس لئے کہ اسے شوہر کی بہن کی موت گوارا تھی۔ لیکن بھینس کی موت گوارا نہ تھی

مولانا روم فرماتے ہیں۔ کہ ایک شخص نہایت رئیس لیکن ساتھ ہی نہایت درجے کا خسیس تھا۔ ایک دن یہ کنجوس کبھی جو عشاء کی نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں گیا۔ اسے فکر دامنگیر ہوئی۔ کہ گھر میں چراغ سرپوش کے بغیر جل رہا ہے۔ اس طرح تو تیل سارے کا سارا خرچ ہوجائے گا۔ فوراً مسجد سے نکل کر گھر کو بھاگا۔ اور نوکرانی کو باہر ہی سے پکار کر کہا

"دروازہ نہ کھولو اور چراغ پر سرپوش رکھ دو"

خادمہ:۔ دروازہ کیوں نہ کھولوں؟

رئیس:۔ اری بدبخت کیا تجھے معلوم نہیں کہ دروازہ کھولنے سے چول گھس جائے گی

خادمہ:۔ میرے آقا میں نادان ہی سہی مگر آپ کو خیال نہ آیا۔ کہ مسجد سے گھر تک آنے میں جوتیوں کے تلے گھس جائیں گے

رئیس:۔ خاطر جمع رکھو میں ننگے پاؤں آیا ہوں

ایک مولوی صاحب ایک گاؤں میں وعظ کے لئے گئے۔ بھیڑ زیادہ تھی۔ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ مولوی صاحب نے پھیپھڑوں کا پورا زور لگا کر فرمایا

"عزیزو! تھوڑے عرصہ کے لئے مجھے اپنے کان ادھار دے دو"

اس پر ایک زمیندار نے ہنس کر کہا۔

مولانا" ہم ادھار لینا جانتے ہیں۔ دینا نہیں جانتے"

مولوی:۔ میرا بھی یہی حال ہے" میں لینا جانتا ہوں۔ دینا نہیں جانتا"